ضمیمۂ اردو کلیاتِ نظمِ حالی

مشتمل بر

نظم و نثر فارسی و عربی

جو ابتدائے سن تمیز سے سنہ ۱۳۳۲ھ تک مختلف اوقات میں

عالیجناب شمس العلما مولوی حافظ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

کے کلکِ جواہر سلک سے تراوش پاتی رہیں

اور اب افادۂ عام کے لیے

حسب فرمایش جناب حافظ محمد یعقوب صاحب مجددی پانی پتی

سنہ ۱۳۳۲ھ

خاکسار حافظ عبد الستار بیگ نے اپنے

[illegible] میں طبع کیا

قیمت فی جلد ۱۲ آنہ

تعداد جلد ایک ہزار



فہرست مضامین ضمیمۂ اردو کلیات نظم حالی

تمت

صحتنامہ ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	سیقدر	کسیقدر	۸۳	۱۸	سدلئے	صدائے	۱۲۶	۱۲	بالن دایا	بالڑ دایا
۱۲	۱۲	یاماے	باراسے	۸۴	۶	صدیت بریں	صدیت حال بریں	۱۲۷	۲	صدوق	صدوقِ
۱۶	نوٹ	سنجری	سنجرزی	"	۱۳	کسانے کہ	کسانے راکہ	"	"	مصیب	مصیب
۱۹	۱۰	شبیہہ	شبیہ	"	۱۹	موانع	مواقع	"	۵	فھقری	فھقرا ے
۲۰	۱	ودایع	وداع	۸۶	۸	اورازازلی	اورازاراول	"	۸	مُھَابتُہ	مَھَابتہ
۲۵	۴	انتی	اُفتی	"	۱۱	آں راکاریک	آں کار رانیک	"	۱۶	تاثرہ	مَاثُرہ
۲۶	نوٹ	روف علیخاں	یوسف علیخاں	۸۸	۵	کہ اقرادیک	کہ اُقرادیک	۱۲۸	۲	سَینفدُن	سَبنفدُ
"	"	متم	متیم	۱۰۱	۵	لاَ یُنعَبَّرُ	لاَ یُعَبَّرُ	"	۵	کمثلی	کَمَثَلِ
۳۰	۱	ازایں	ازیں	۱۰۶	۷	درکوچہ	جز در کوچہ	"	۱۰	قل رکشفت	قل کشفت
"	۱۵	کوفت زیں	کوفت زی	۱۰۷	۲	ودرشیوہ بیانی	ودرشیوا بیانی	"	"	اغلفوہ	اغلفوہ
۳۴	۱۶	خلق در	خلق را	"	۱۱	آمدو بہ کسب	آمدہ بکسب				
۳۶	۱۷	آں سراوج	آں سر اوج	"	۱۲	لطافت بحرا	لطافت بہرا				
۳۷	۷	سنتیاں	سنجیاں	۱۰۸	۱۸	ولود بیشش	ولودہ شش				
"	۱۳	لیست ایں	نیست ایں	۱۱۱	۹	عالیہ	علیّہ				
"	۱۵	بہرہ برو	بہرہ بَرَد	۱۱۵	۹	من ہم	ومن ہم				
۴۰	۱	سپرشتہ	سررشتہ	۱۱۷	۶	دیدار بوصال	دیدار وا بوصال				
۴۲	نوٹ	راقم خود	راقم خود گیا تھا	"	۱۱	عِلّۃٌ	عِلّۃٌ				
۴۶	۸	آہِ اژاں	آہ اناں	"	"	التیمُّ	التَّیمُّم				
۵۲	۱	مکشودہ باندنجتہ	بکشایدہ باندنکیہ	۱۲۱	۹	ابُقَ	اَبُقَ				
"	۲	زکس بجیدہ و	زکس بجیدہ	"	۱۰	فیما برجی	فَیَما یُوری				
۵۳	۴	استقباط	استنباط	۱۲۲	۱	ارجو	آرجو				
۵۵	نوٹ	۱۰۹۵ہجری	سنہ ۱۸۹۵ء	"	نوٹ	مرشیا	ہمرشیا				
۵۹	۱۹	مایہ صولت	سایۂ صولت	"	نوٹ	پس اس	پس اُس				
"	"	اندانند	اندازند	۱۲۳	۴	من بتنات	من بَیّنات				
۶۲	۱۹	سستنصر باسد	مستنصر باللہ	"	نوٹ	برائیاں	بڑائیاں				
۶۸	۱۵	خلفائے ثلاثہ	خلفائے ثلاثہ	۱۲۴	۴	صولاتِ	صولاتُ				
۶۹	۱۳	کتاہت	کتابت	۱۲۵	۱۳	للعزّ	للغز				
۸۱	۲	اددپس از	او پس از	"	۲۰	الجلابیب	الجلابیب				

ضمیمہ اُردو کلیات نظم حالی

مشتمل بر

نظم و نثر فارسی و عربی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تیرہویں صدی ہجری کے وسط تک ہندوستان کے مسلمان بالطبع فارسی زبان میں نظم و نثر لکھنے اور خط کتابت کرنیکے عادی تھے جس شخص کو ادب سے مناسبت ہوتی تھی۔ وہ اکثر فارسی زبان کی شاعری اور انشاپردازی میں طبع آزمائی کرتا تھا اسکا سبب کچھ تو اسلاف کے طریقے کی پیروی کا خیال تھا جو عموماً فارسی زبان میں تصنیف تالیف کرتے تھے۔ اور کچھ یہ وجہ تھی کہ اُردو جو اُنکی مادری زبان تھی زیادہ تر بول چال میں اور کسیقدر شعر و سخن میں محدود تھی۔ اور ہر شخص کا یہ کام نہ تھا کہ پہلے ہی پہل شارع عام کے خلاف ہر قسم کی تحریروں میں اُردو زبان کو استعمال کر سکے۔ بڑے بڑے ذی علم اور لائق اصحاب اردو زبان میں خط کتابت کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ اردو زبان کے قواعد[1] تک فارسی ہی میں لکھے گئے۔ اور اردو کے شاعروں کا تذکرہ[2] بھی فارسی ہی میں قلمبند کیا گیا۔

ایک اور وجہ اُردو زبان کا رواج نہ ہونے کی یہ تھی کہ اہل علم اور لائق اشخاص اردو میں تصنیف

---

[1] جیسے میر انشا اللہ خاں کی دریائے لطافت ۱۲ [2] جیسے تذکرہ گلشن بیخار مرتبہ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم ۱۲

تالیف یا خط کتابت کرنے کو اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ چنانچہ مذہبی اور علمی کتابیں اکثر عربی زبان میں اور کبھی کبھی فارسی میں لکھی جاتی تھیں۔ مگر رفتہ رفتہ زمانہ کے انقلاب سے وہ میلان کم ہونا شروع ہوا۔ اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ دونوں زبانوں میں تصنیف و تالیف کرنا یا نظم و نثر لکھنا موقوف ہی نہیں ہوا بلکہ بمقابلہ اردو زبان کے محض فضول سمجھا جانے لگا۔ عربی علم ادب تو بہت دن پہلے ملک سے رخصت ہو چکا تھا۔ مگر غالب مرحوم اور انکے معاصرین کے بعد فارسی شاعری اور انشاپردازی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مذکورہ بالا انقلاب سے تقریباً سو سوا سو برس پہلے راقم کو فارسی نظم و نثر لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن ایک عرصہ تک وہ خیال میلان طبع کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ حسن اتفاق سے ۱۸۶۳ء میں میرا تعلق جناب غفران مآب نواب محمد مصطفی خاں مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کی سرکار میں جو کہ فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ ہو گیا۔ اور اس تعلق کی وجہ سے تقریباً آٹھ نو برس انکی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ جناب ممدوح کا قیام ۱۸۵۷ء کے بعد سے زیادہ تر جہانگیر آباد میں رہنے لگا تھا۔ جہاں مخاطب صحیح کمیاب تھا۔ اسلیئے وہ فکر شعر کیطرف بہت کم متوجہ ہوتے تھے۔ لیکن جب راقم وہاں رہنے لگا تو رفتہ رفتہ جناب ممدوح کا شوق از سر نو تازہ ہو گیا۔ اگرچہ اس وقت تک مجکو فارسی یا اردو میں فکر شعر کرنے کا بہت ہی کم اتفاق ہوا تھا۔ مگر جناب ممدوح کو ادھر متوجہ دیکھکر میرے دلمیں بھی تحریک پیدا ہوئی۔

فارسی یا اردو کی جس زمین میں وہ غزل لکھتے مجھے بھی اپنے ساتھ شریک فرماتے۔ انہیں دنوں میں تنہائی اور قلتِ مشاغل کے سبب عربی ادب کی ہوس بھی دلمیں چٹکیاں لینے لگی۔ اگرچہ علم ادب کسی استاد سے باقاعدہ پڑھنے کا کبھی اتفاق نہوا تھا۔ اور نہ کسی ادیب سے اصلاح لینے کا موقع ملا تھا۔ مگر چونکہ لٹریچر سے فی الجملہ مناسبت تھی۔ کبھی کبھی ڈکشنریوں کی مدد سے ادب کی آسان آسان کتابیں

دیکھنے لگا۔ شدہ شدہ یہانتک نوبت پہنچی کہ عربی نظم و نثر پر خود رومیتا یوں کیطرح ہاتھ ڈالنے کی جرأت ہوئی۔ غرضکہ فارسی اور اُردو کے ساتھ عربی نظم و نثر میں بھی جبتنا فحینا خامہ فرسائی کرتا رہا۔ آخرش زمانہ آپہنچا کہ فارسی اور عربی کے مخاطب صحیح تمام ملک میں نایاب ہوگئے۔ اور دونوں زبانیں ہندوستان کی مُردہ زبانوں میں شامل ہونے کے قابل ہوگئیں۔

یہ تو ظاہر ہی کہ مادری زبان کے سوا دوسری زبان میں جو نظم یا نثر لکھی جاتی ہو گو کہ وہ کیسی ہی بے عیب ہو اہل زبان کی نظر میں اُسکی کچھ وقعت نہیں ہوتی۔ الا ماشاء اللہ۔ ہاں یہ ممکن ہو کہ اہل وطن کے نزدیک قبولیت کا درجہ حاصل کرلے لیکن جب اہل وطن کسی ملکی انقلاب کے سبب اُس غیر زبان سے بیگانۂ محض ہوجائیں۔ اور اُسکی جگہ ملک میں دوسری زبان قائم ہوجائے تو رفتہ رفتہ اُسکی شاعری اور انشا پردازی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوجاتا ہو۔

یہی حال آجکل ہندوستان میں فارسی اور عربی لٹریچر کا ہی۔ دونوں زبانوں کی نظم و نثر کے مسودے جو کبھی کبھی کے لکھے ہوئے پڑے تھے۔ اُنکی نسبت متردد تھا کہ انکو کیا کیا جائے قوم میں کوئی ایسی محفوظ لائبریری نظر نہ آتی تھی جہاں افراد قوم کے ورکس اچھے یا بُرے احتیاط کے ساتھ رکھے جائیں۔ پھر اہل وطن کا ان دونوں زبانوں سے عموماً ناآشنا ہونا اپنے اِس قدیم شعر کا مضمون یاد دلاتا تھا۔

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا ۔۔۔ یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا

لیکن مذکورۂ بالا مسودات کچھ تو اس وجہ سے کہ بڑی کاوش سے لکھے گئے تھے اور زیادہ تر اس خیال سے کہ قومی خصوصیات کی یادگار تھے۔ انکو رایگاں کھونا گوارا نہوا۔ چنانچہ تمام پرچے جس قدر بہم پہنچ سکے اِدھر اُدھر سے فراہم کیے گئے۔ اور ذیل کی ترتیب کے ساتھ اس مجموعے میں جو کلیاتِ نظم اُردو کے آخر میں بطور ضمیمے کے ملحق کیا جائے گا۔ داخل کردیئے گئے یعنی اول نظم فارسی۔ اُسکے بعد نثر فارسی

پھر نظم عربی۔ اُسکے بعد نثر عربی ◆

یہ ضمیمہ اگرچہ کم و بیش فارسی اور عربی دونوں زبانوں کی نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ مگر عربی کلام اسقدر قلیل ہے کہ اُسکا عدم اور وجود برابر ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر اُسمیں ایک قصیدہ حضرت مولانا و مقتدینا شاہ عبد الغنی النقشبندی المجددی قدس سرہٗ کی شان میں نہوتا۔ جو تقریبًا ۱۲۸۳ھ ہجری میں مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا۔ اور جسکی نسبت جناب ممدوح نے بعض اُدبائے مدینہ کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ تو راقم کو ہرگز یہ جرأت نہوتی کہ اپنا عربی کلام اس ضمیمہ میں داخل کرنے کی مبادرت کرتا۔

از مقام
پانی پت

حالیؔ

نظم فارسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم



غزلیات

یہ غزلیں اُسی زمانے کی ہیں جبکہ خیالات میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس قسم کے مضامین غزلوں میں اوپر سے بندھتے چلے آتے تھے۔ اُسی روش پر چند غزلیں لکھی گئی تھیں۔ جنکو معدودے چند کے سوا میں اپنے موجودہ خیالات کے موافق پبلک میں پیش کرنیکے لائق نہیں سمجھتا تھا لیکن بعض احباب کے اصرار سے اُنکو اِس مجموعہ میں شامل کرنے پر مجبور ہوا۔

اے تکیہ بعفو تو خطا را　　　　وے ناز بخوفِ تو رجا را

حاجت کند از طرب فراموش　　　　خوانی چو بسوئے خود گدا را

جا در دلِ خویش ہم نیابد　　　　رانی ز درت چو پادشا را

علت تو بری و باز بندی　　　　بر صنعتِ دیگران شفا را

تاثیر تست مصلحت را　　　　بد نام نمودہٗ دوا را

بازار صبا نمودہٗ گرم　　　　برہم زدہ طرّہٗ دوتا را

با مشعلۂ ہزار اُمید　　　　پوشیدہ سُراغ مدعا را

در روشنئ ہزار خورشید　　　　گُم ساختہ چشمۂ بقا را

برقے ز افق بروں جہاندہ   برپا زدہ در رہش گیا را
زہرے بگلوئے جاں فشاندہ   لب تشنۂ خویش کردہ مارا
دربُردنِ صبر دادہ دستے ق اندازِ بُتانِ دلربا را
از غیر گسستہ اندک اندک   دلہائے بالفت آشنا را
ہر یک ز قیاس و علم و ادراک ق از نورِ تو شد حجاب مارا
ایں پردہ کہ مُتّہَم بکشف است   بردار ز روئے عالم آرا
از آئنہ ام بجز مثالت   ہم زنگ زدا و ہم جلا را
زخمے ز تو بے نمک نخواہم   ہم درد فرست و ہم دوا را
رازِ تو بلب نمی پسندم   ہم ساز بسوز و ہم نوا را
از سختیِ دہر رو نتابم   دانم کرمِ ستم نما را
از شعلۂ دل بجاں خبر کن   مُہمل مگذار کیمیا را
زشتیم ز فرق تا قدم زشت   مارا در چشم ما میارا
کردیم گناہ و فاش گفتیم   بپذیر گناہ بے ریا را
حرفِ طلبت بلب نہ زیبد   انداختم از میاں دعا را
تا بر کرمِ تو تکیہ دارم   در راہ فگندہ ام عصا را
حالی! چہ زنی تو دم ز توحید   چوں نا بلدی رہِ خدا را
جائے کہ بعجز اعتراف است   خیلِ عُرفا و انبیا را
آنجا چہ مجالِ نطق باشد   ہر یافہ سرائے ژاژ خا را
اینجا جز خامشی نہ زیبد   نامحرمِ سرِّ کبریا را

از بامِ بلند بہ کہ داری معذور کمندِ نارسا را

چوں نہد گوش بر ترانۂ ما رود از یادِ ما فسانۂ ما

درد بسیار و از ترانۂ ما حذر از گرمیٔ زبانۂ ما

درد و اما شنیدۂ بسیار اندکے گوش کن ترانۂ ما

بایدت قدرِ خویشتن دانست پاسے بیروں منہ ز خانۂ ما

در سراب آبِ خضر میجوئی اے وفا جستہ در زمانۂ ما

گوہرے کز دو کون بیرون است میتواں یافت در خزانۂ ما

زیرِ لب ناکشودہ طوماریست کاش پُرسی ز ما فسانۂ ما

برق کز طور داشتند دریغ سر بر آورد ز آشیانۂ ما

قدرِ حالی ز قوم کس نشناخت عاقبت رفت از میانۂ ما

خاکساری از جہانے دیگر است این[1] زمیں را آسمانے دیگر است

شیخ! معبودت نہ معبودِ من است سجدہ ام بر آستانے دیگر است

با ہزاراں رنگ باید ساختن یار را ہر لحظہ شانے دیگر است

اہلِ دیں معذور دارندم کہ من آنچہ گویم از زبانے دیگر است

ہم تغافل ہم تطاول دیدہ ام عشق مردِ امتحانے دیگر است

دل کہ بود از چشمِ مورسے تنگ تر چوں نظر کردم جہانے دیگر است

---

[1] یہ مصرعہ نادانستہ نشاط کے مصرع سے لڑگیا ہے ۱۲

برنتابد دل مدارائے کسے　　در سرایش میہمانے دیگر است

بردہ طیبِ سنبلِ زلفش زیاد　　این نسیم از بوستانے دیگر است

منتہائے راہِ عشق افتادگی است　　منزلِ یارا نشانے دیگر است

قیس و وامق مردِ راہِ من نیند　　اندریں رہ کاروانے دیگر است

من ز رویش حسنِ معنی دیدہ ام　　آنچہ دل بردہ است آنے دیگر است

کارِ حالی نیست کارِ احمد است[1]　　درسِ عشقت را بیانے دیگر است

یار با تست گرت جذبۂ گیرائے ہست　　یوسف آخر رود آنجا کہ زلیخائے ہست

مے پسندی کہ ز بزمِ تو خجل برخیزم　　بہ سخن گر نتواں آمدن ایمائے ہست

گو ملامت گرِ ما دل بنکوہش مخراش　　یوسفے ہست گرت تابِ تماشائے ہست

گردشِ چرخ بکام و جہاں منجوایم　　در دلِ ماست ہنوزک تمنائے ہست

چوں منِ غمزدہ ناکام ہمے باید زیست　　ہر کرا در شبِ راحت غمِ فردائے ہست

جائے دہ بر درِ خود ور تو برانی از پیش　　نتواں یافت کہ در کون و مکاں جائے ہست

رنجش با خوشی و لطف و مدارات یکیست　　خستہ را کہ چو من کار بہ خیرہ درائے ہست

ہر چند باش گر او را بہ سخن مے آری　　حالیؔ تفتہ دروں را دمِ گیرائے ہست

غمش تا جاں بود با جاں ضرور است　　و گر خود جاں نباشد آں ضرور است

---

[1] ایں مصرع از حضرت احمد جام است قدس سرہٗ کہ در مطلعِ غزل خود میفرمایند۔

درسِ عشقت را بیانے دیگر است　　مرد ایں رہ را نشانے دیگر است

ز تکلیف تو دانستم کہ در عشق | نباشد آنچہ در امکاں ضرورست
چو بینم خواجہ نافرماں نوازست | سرم پیچیدن از فرماں ضرورست
بطبعم سازگار افتاد دردش | مرا پرہیز از درماں ضرورست
ز ہا شوق دوست داد بینوائی | گذشتن از سر و ساماں ضرورست
کشد چوں تیغ بہر جاں افشانی | سپاسے در خور احساں ضرورست
کمند جذبہ دل در کمین است | خلاص یوسف از زنداں ضرورست
بغمہائش دہم سر تا بداند | کہ پاس خاطر یاراں ضرورست
چہ میرفت از زباں میگفت حالی | قبول عشق را حرماں ضرورست

من و از مے دو سہ پیمانہ و یار و لب کشت | نہ ز دوزخ بدلم بیم و نہ پروائے بہشت
ترسم این حسن قبولت برد از راہ صفا | خواجہ وقتست کہ از کعبہ روی سوی کنشت
پردہ گر برفتد از نقش حسرونت بینی | ہمہ پاکیزہ نہاد و ہمہ پاکیزہ سرشت
گر بگیرد ہمہ عیب است چہ عیب و چہ ہنر | ور بپذیرد ہمہ زیباست چہ زیبا و چہ زشت
عمرہا از تو بناکام ہمی باید زیست | وائے آنکس کہ ز کف داد این امید نہشت
ترسم از کعبہ بری حسرت دیدار بجویش | اے تو واماندہ بنظارہ سنگ و گل و خشت
ہر رقم را نبود حسن قبول ازلی | ورنہ حافظ چہ نوشتست کہ حالی ننوشت

صید عنقاست پریدیم عبث | راہ دور است دویدیم عبث
بود زہرے بہ شکر آلودہ | لذت وصل چشیدیم عبث

جذبہ آمد و بمنزل برد — راہ یکچند بریدیم عبث

گوش و لب محرمِ راز نداشت — ہرچہ گفتند و شنیدیم عبث

بود در ظرفِ مغاں آبِ بقا — منتِ خضر کشیدیم عبث

دل ہماں بتکدہ پنداراست — جائے در کعبہ گزیدیم عبث

جذبِ دل داشت زبامش ورسن — از پئے ناقہ دویدیم عبث

عشق از خویش بریدن میخواست — حالی از خلق بریدیم عبث

روز محشر کہ زہر شیخ و برہمن پرسند — سر و ہم قصۂ شوقِ تو چو از من پرسند

دل ربایند و بما صبر و شکیب آموزند — جاں ستانند و زما باعثِ شیون پرسند

بگذر از وسوسۂ عقل کہ اربابِ طلب — راہ از غولِ رہ و چارہ ز رہزن پرسند

بادۂ بے خبری نطق مرا در کار است — مے بیارند و زمن نکتۂ ہر فن پرسند

روئے از فرع بہ اصل آر کہ اربابِ طلب — گل ببینند و سراغِ رہِ گلشن پرسند

بندہ را نیست مجالِ سخن آنجا حالی — ورنہ افسانہ دراز است گر از من پرسند

بیا کہ جان و دل از غم کرانہ میخواہند — زرشک خار بچشمِ زمانہ میخواہند

ز جورہائے تو در سینہ نیست گرد ملال — بصلح با تو سخن درمیانہ میخواہند

خوش است آشتی اما پس از شکایتہا — کہ دوستاں گلہ دوستانہ میخواہند

ادب ز حرفِ طلب بستہ است کام و زباں — وگرنہ از تو حریفاں چہا نہ میخواہند

بہ گلشنے کہ ستم طائرانِ آزادند — بروں ز کون و مکاں آشیانہ میخواہند

شدیم شہرۂ عالم بعشق و بیدرداں — ہنوز از غمِ پنہاں نشانہ میخواہند
تن فتادہ دراں رہگذار مے طلبند — سر بریدہ بر آں آستانہ میخواہند
رسید نغمہ بہ پایان و گوشہا باز ست — نشیدِ حالی جادو ترانہ میخواہند

بے سبب رنجی و گوئی گلہ زیبا نبود — طاقتِ جورِ تو در حوصلۂ ما نبود
سعی اگر نیست بجا ذوقِ طلب نیز چہ کم است — رہرو آں بہ کہ ز رفتار شکیبا نبود
مردِ صبرم و رضا لیک بہنگامِ وداع — بازوئے ہمتِ ما نیز توانا نبود
لطفِ طاعت چہ بود نیست اگر ذوقِ نظر — نپرستم صنمے را کہ خود آرا نبود
مے دَرَد رشکِ عدو پردۂ طاقت نہ — غمِ عشقِ تو چنیں حوصلہ فرسا نبود
مجلسِ وعظ ملامت گہِ ما غمزدگاں — کم نشینیم بہ بزمے کہ مدارا نبود
ہمہ جز غیر میا گر بجہانم گذری — جز تو در سینہ ام از تنگیِ دل جا نبود
قدرِ استادیِ من بر در خود سنج کہ من — باز گردم در فردوس اگر وا نبود
فتنۂ حشر بپا گشتہ و حالی بگماں — کایں ہم از شعبدۂ آں قدِ رعنا نبود

برقع برخ افگندہ و ہر سو نگرانند — فریاد کہ ایں پردگیاں پردہ درانند
از زلف و رخ آشوبِ دلِ بوالہوسانند — ور ناز و ادا فتنۂ صاحب نظرانند
جاں داروئے عشاق و بکامِ دلِ اغیار — عمرِ ابدِ ما و نصیبِ دگرانند
صد حرف غلط گفتہ بخاطر بنشانند — صد تیرِ خطا کردہ ز دل درگذرانند
سازندہ و بسوزند و گرایند و ربایند — زنہار ازیں قوم کہ پر فتنہ گرانند

از چشم جهان بین چه زیان اهل نظر را — هر سو که ببینند بسوئے نگرانند

آشفتگی از نغمهٔ مستان نه ز بیهوشی است — صد شور توان یافت که آشفته سرانند

عیب نظر آن است که رویش نتوان دید — پیداست که این مدعیان بے بصرانند

امید که از راز خبر داشته باشند — دیوانه دلانے که ز خود بے خبرانند

حالی تو بهر حرف و صد نکته نهفته است — سنجند درین بزم اگر نکته ورانند

عالم همه در بند تمنائے تو باشد — گر صوفی و گر رند که شیدائے تو باشد

آتش زن صد خرمن و ویران کن صد کشت — هر فتنه که در نرگس شهلائے تو باشد

آن ساده که در عهد تو خرسند به هیچ است — دل باختهٔ لطف مدارائے تو باشد

خرسند نمی سازی و غمگین نپسندی — ناکام کسے کش سر سودائے تو باشد

نومید مکن ورنه محال است که کس را — یارائے غم حوصله فرسائے تو باشد

یارائے صواب است چه گیرم رائے جهان را — همه رائے جهان در گرو رائے تو باشد

تاب و تب صد شعله و بیتابی صد برق — پنهان بود آن دل که تمنائے تو باشد

بر مرگ نهم دل که علاج دل بیمار — شیرین است که از لعل دل آسائے تو باشد

آنکس که بلرزد تنش از مژدهٔ دیدار — دائم که نگه محو تماشائے تو باشد

با حالی بیچاره توان ساخت که مسکین — هم بنده و هم عاشق شیدائے تو باشد

هر دم از عشق خدنگے به نشان مے آید — اندک اندک دلم از غمزه بجان مے آید

جان گدازند بلطف و بغضب شاد کنند — هر چه خواهید ازین عشوه گران مے آید

بود از یں راز بصد پردہ نہاں نتواں داشت / عشق مے آید و با طبل و نشاں مے آید
در بہاراں بہ تماشائے گل از جا نروی / تا نفس راست کنی فصل خزاں مے آید
سوئے من آمدہ مشتاق و نظر زنگہش / مے تراود کہ ببوئے نگراں مے آید
دوش چیزے ز سخن ہائے محبت گذشت / بجز آں حرف کہ از دل بزباں مے آید
عجبے از خود کنم و سوئے فلک مے بینم / چوں خدنگ تو بسویم ز کماں مے آید
چوں نہ محرم اسرار نہاں در دل ماست / بزباں ہر چہ ز اسرار نہاں مے آید
یار چوں نیست موافق چہ وداع و چہ وصال / مے رود ناخوش و ناخوشتر ازاں مے آید
حالی زار گرفتم کہ وفادار کسے است / زود بینی کہ ز دست تو بجاں مے آید

شوقے بدوست راہنما داشتم چہ شد / دردے بہ از ہزار دوا داشتم چہ شد
عمریست دل بہ بند پیام وصال نیست / چشمے بہ رہگذار صبا داشتم چہ شد
در دست جام بادہ و در دل ہوائے دوست / وقتے چو اہل دل بصفا داشتم چہ شد
افتادہ زیر سایۂ دیوار حسرتم / بر فرق خویش ظل ہما داشتم چہ شد
سود و زیان خویش نہ بردے مرا ز جا / پنہاں بہ او معاملہا داشتم چہ شد
یادم کنوں نماندہ کہ پیماں چہ بودہ است / در سینہ خار خار وفا داشتم چہ شد
کارم ز سعی خضر بجائے نمے رسد / در ظرف خویش آب بقا داشتم چہ شد
آوارگی بہ برد ہوائے وطن زیاد / زیں پیش روئے خود بقفا داشتم چہ شد

حالی خوش آنکہ بود دلم تکیہ بر وفا
ذوقے بدل ز جور و جفا داشتم چہ شد

لب بہرہ ز رازِ ما ندارد — خود زمزمہ سازِ ما ندارد

ہر جا صنمے ست سجدہ ما ست — یک قبلہ نمازِ ما ندارد

بر نالۂ ما دلش نہ سوزد — آنکس کہ گدازِ ما ندارد

آں گوش کہ پُر ز حرف و صوت ست — گنجائیِ رازِ ما ندارد

کارم بہ کسے فتادہ کز ناز — پروائے نیازِ ما ندارد

گر ہر دو جہاں فراہم آرند — اندازۂ آزِ ما ندارد

حالی گلہ جفائے دوراں — صوتے ست کہ سازِ ما ندارد

دلے خواہم کہ چوں پروانہ سوزد — فتد در آتش و مردانہ سوزد

زید آوارہ و میرد بناکام — دل از رشکم بر آں دیوانہ سوزد

تبہ کردست جورِ آشنایم — بحالِ من دلِ بیگانہ سوزد

بکنجِ خانہ شمعے می فروزم — کہ چوں در گیرد اوّل خانہ سوزد

دلے راکش بدوزخ سوخت نتواں — فروغے از رخِ جانانہ سوزد

فروغ از من کسے جز من نگیرد — من آں شمعم کہ در ویرانہ سوزد

گر از من بشنوی روداد حالی — بچشمت خواب زیں افسانہ سوزد

غزل ناتمام

در گلستاں بلبل و در انجمن پروانہ ام — من بہر جا محوِ نیرنگِ رخِ جانانہ ام

محرمیت نیست دل را با ہزاراں قربِ دوست — یار گرمِ آشنائی ہا و من بیگانہ ام

خضرِ راہِ منزلِ مقصود جز توفیق نیست — زاین و آں پرسم نشانِ او مگر دیوانہ ام

عشق اگر کیش ست ملت ہا کہن خواہد شدن
منبرے ہر گوشہ از دار و رسن خواہد شدن

گر عنانِ بادِ مصر اندر کفِ جذبِ دل است
رنگ یوسف جملہ بوئے پیرہن خواہد شدن

عمرہا شد تشنۂ آبِ دمِ شمشیرِ تست
تیغ برکش ورنہ جاں بیروں ز تن خواہد شدن

سبد سبد گل ہر کجا پائے نگاریں مے نہی
جادہ چوں از سیر باز آئی چمن خواہد شدن

شکوہ گر بر لب نیاید عاقبت کیں مے شود
زخم را درماں نباشد چوں کہن خواہد شدن

صید تا افگندہ محوِ دست و بازوئے خود است
ایں جواں روزے شکارِ خویشتن خواہد شدن

زینکہ شد ہمخوابۂ خسرو نمیرزد نیم جو
گرمیِ بازارِ شیریں کوہکن خواہد شدن

در غریبی طرحِ الفت افگنم با ہر کسے
در دلِ گبر و مسلمانم وطن خواہد شدن

یار در کوچست و من خاموش و جاں بیتاب گر
جذب در دل نیست کار از دستِ من خواہد شدن

دوست پر تمکین و حالی از ادب بسیار دور
دیر با او ہمنشین و ہم سخن خواہد شدن

غزل ناتمام

بے نورِ صفائے دل پنہاں شدہ ہر پیدا
اے شب تو بہ پایاں رس اے مہر درخشاں شو

گر پا نرسد ہمت ہست دستے بگریباں زن
ور پائے ارادت ہست لختے بہ بیاباں شو

تنہائی و رنجوری و انگہ غمِ مہجوری
اے مشکلِ من بکشا اے مُردنم آساں شو

شوخے ست کہ ننگ دارد بر ملتِ خود کس را
اے شیخ ز دیں برگرد اے گبر مسلماں شو

ساقی بہ قدح بخشی گو توبۂ ما بشکن
مطرب بہ نوا سنجی گو رہزنِ ایماں شو

ہم بادہ و با دم خور ہم بوسہ بیا پے دہ
بے پردہ ترا زگل آئے چوں بوئے گل اندام شو

اے پرتو نقاب از تست خود جلوہ حجاب از تست
از خود بکجا پیوند و ز خویش برآں شو

حالی بہ سخن خواہی رفتن زپئے غالب دولت بغلط نبود از سعی پشیماں شو

نگردد از تو ہرگز سیر چشم تماشائی اگر بر دیدہ بنشینی وگر در دل فرود آئی[1]

نگنجد با تو این ہنگامہ ہا در شان یکتائی تو چندیں عالمے با خویشتن داری و تنہائی

ترا شایاں بود خوبی کہ بیمہری و محبوبی ترا زیبد دلآرائی کہ با خوبی و زیبائی

تو چشم و گوش بکشائی و شد بہر تو ارزانی بگلشن چہرہ آرائی بہ بلبل نغمہ پیرائی

نہ در بزم مغاں راہست نہ در کوئی گذرگاہست تو اما رند مستوری چہ دانی ذوق رسوائی

بہ راہِ خدا داری نہ دل سوئے قفا داری تو زانساں بیخبری از رہ کہ پنداری نمی آئی

گواہ بیگناہی ہاے خود دارد جہانے را تو دست خود بخون حالی مسکیں نیالائی

تخمیس غزل نعتیہ جناب مرزا غالب مرحوم کہ در حیات ایشاں نوشتہ شدہ بود

اعجاز از خواص لسانِ محمد است عین الحیوٰۃ گم بدہانِ محمد است

گر نور وگر ہست کہ از آنِ محمد است حق جلوہ گر ز طرز بیانِ محمد است

آرے کلام حق بزبانِ محمد است

ای خامہ وصفِ قامت معشوق کم نگار اے دل سخن ز رستہ قداں در میاں میار

قمری ز ذکر سرو نفس را نگاہدار واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگذار

کاینجا سخن ز سرو روانِ محمد است

شاہد تقبل عاشق و عاشق بجان خود مجنوں بپائے لیلیٰ و لیلیٰ بفرق خود

[1] یہ مصرعہ حضرت میر حسن سنجری رح کی غزل سے لیا گیا ہے جسکا پہلا مصرعہ یہ ہے ع تو نور العینی ای مہرو تو جانِ جانی ای جاناں

سوہن بآل احمدؐ و آلش بروح جد — ہر کس قسم بدانچہ عزیز است میخورد

سوگند کردگار بجانِ محمدؐ است

آنجا کہ از مناقبِ عترت سخن رود — وزآں دراز صحابہ و ہست سخن رود

واں کا ینہمہ زختمِ رسالت سخن رود — ور خود زنقشِ مہرِ نبوت سخن رود

آں نیز نامور زنشانِ محمدؐ است

حکمش بمہر و ماہ روان ہست چوں قضا — دیدی کہ باز گشتن خورشید بر قفا

بودہ ہست بر اشارۂ ابروئے مصطفےٰ — بنگر و نیمہ گشتن ماہ تمام را

کاں نیمہ جنبشے زبنانِ محمدؐ است

دانی زپیشِ چشمِ تو بر خیزد ار حجاب — کز نورِ شمع پردۂ فانوس راست تاب

باشد ظہورِ روشنیِ عارض از نقاب — آئینہ دار پرتوِ مہرست ماہتاب

شانِ حق آشکار زشانِ محمدؐ است

بینی اگر بدیدۂ درّاک وارسی — گوئی اگر بعالمِ ادراک وارسی

سنجی اگر بمرتبۂ خاک وارسی — دانی اگر بمعنیِ لولاک وارسی

خود ہر چہ از حق است از آنِ محمدؐ است

لطفِ خداست گر بسر کس نہاد دست — قہرِ خداست چوں سرکین بحملہ جست

دانِ کسے کہ شد زمے قادمیت مست — تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است

اما کشادِ آں زکمانِ محمدؐ است

ہمت بمدحِ شہ چو حالی گماشتیم — گفتیم و از نگاشتنی ما نگاشتیم

چوں کام و لب فراخورِ وصفش نداشتیم — غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

رباعیات

توحید

دل دادۂ شوکت چہ ولی و چہ نبی — سودا زدۂ ات ہم عجمی ہم عربی
دل از تو تسلی نتواں کرد بہ ہیچ — اے خوشتر از آبِ سرد در تشنہ لبی

ایضاً

یارب کرمے کہ شرمسار آمدہ ایم — سرمایۂ ناکسی بہ بار آمدہ ایم
شایستۂ دوزخیم و جویائے بہشت — دریاب کہ پُر امیدوار آمدہ ایم

اخلاق

سر بر سر از خاکِ پائے ہمہ باش — داماں فراش و در رضائے ہمہ باش
با خلق بیا میختن از خامی تست — ترکِ ہمہ گیر و آشنائے ہمہ باش

دیگر

سر زیر بدرے و خاکِ پائے ہمہ باش — دل دہ بہ یکے و دلربائے ہمہ باش
خواہی شوی آشنائے یگانہ تنہا — بیگانہ آشنا نمائے ہمہ باش

دیگر

اے آنکہ ز حلۂ صداقت عوری — بنشیں بریا بنشیں مہجوری
کس از دلِ دشمنانِ خود دور مباد — چند آنکہ تو از خاطرِ یاراں دوری

دیگر

اے ہیچ بہ ہیچ خودنمائی تا چند　　خودبینی و خویشتن ستائی تا چند
چوں می‌دانی کہ جز کفِ خاک نۂ　　پس ایں ہمہ دعویِ خدائی تا چند

دیگر

از شعر و سخن گوششِ جہاں گر بادا　　دیں مشغلۂ بیہدہ کمتر بادا
بہر ہر کہ دعائے بدکنم مے گویم　　یارب کہ گراں مایہ سخنور بادا

دیگر

چندے بہوائے گلعذاراں بگذشت　　لختے در بندِ روزگاراں بگذشت
بر نامدہ کامِ دل شباب آخر شد　　نشگفتہ گلے و نو بہاراں بگذشت

عزا

عباسؑ علی و اکبرؑ آں غیرتِ ماہ　　بودند شبیہ احمدؐ و شیرِ الٰہ
در نوحۂ ایں ہر دو جواں بر لبِ شاہ　　گہ وا اَبتاہ بود گہ وا جداہ

در شکریہ مہمان نوازی قاضی محمد خلیل صاحب بیلوی کہ در زمانۂ قحط در دہلی گفتہ شد

ہر چند ز تیغِ قحط خلقے ست قتیل　　از بسکہ فلک بہ خاکیاں گشتہ بخیل
اما چہ غم از قحط کسے را کہ مدام　　الوانِ نعم مے رسد از خوانِ خلیل

در شکرِ لطف و عنایتِ سید کرامت علی مرحوم صفا تخلص ہنگامِ وداع از پٹیالہ

حالی نشود محو ز لوحِ دلِ ما
لطفیکہ دم و داغ فرمود صفا
گر قدرِ مسافراں بہ غربت این است
صد رہ بسفر میسر و صد رہ باز آ

در تاویلِ جراحتِ مولانا شبلی مدظلہ

شبلی کہ گزندِ پاش پُر دل شکن است
با خستگیش خجستگی مقترن است
چندانکہ بکاہند فزاینداینجا
کارِ استن چمن ز پیراستن است

در تاسف بر وفات یکے از فرزندان مہاراجہ کشن پرشاد بہادر مدار المہام سرکار عالی متخلص بہ شاد

چرخ از پسِ داغ بر دلش داغ نہاد
او جز بہ سپاسِ ایزدی لب نکشاد
الحق کہ بہ غصہ شاد و خنداں بودن
زیں گونہ ندیدیم جز از حضرتِ شاد

رباعیات در شکریۂ شیرینی مرسلہ مولوی عبد العلی خاں والہ پروفیسر نظام کالج در حیدر آباد

ہم اخلاص و دوستداری آئیں
من بندۂ دوستانِ اخلاص گزیں
شیرینیکے کہ یار شیریں بخشد
بروے بتواں فشاند جانِ شیریں

دیگر

والہ کہ بحُرمتی فرید آمد و فرد
از مہر وطن کرد دلِ حالی سرد
ہر سیرتِ نیک را تواں یافت بدل
جز سیرتِ والہ کہ مرا والہ کرد

دیگر

بُرد از دلِ من صبر و دل از پہلوئے من — افسونِ وفا و کرمِ اہلِ دکن

زینساں دل و صبر اگر بغارت ببرند — مشکل کہ رسیم ما غریباں بوطن

در شان نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ نیّر در فارسی و رخشاں در اردو

غم نیست کہ دہلی جسدِ بیجان است — وز قحطِ رجال سر بسر ویران است

با صد شکر کوکبِ سخنش — روشن ز فروغ نیّر رخشان است

خطاب بحضرت ممتاز[1] مرحوم

اے مدحِ تو ضحکۂ جہاں کرد مرا — لطفِ تو خجل از این و آں کرد مرا

حُسنِ ظنِ تو کہ کردی اندر حقِ من — زابنائے زمانہ بدگماں کرد مرا

ایضاً

ممتاز آں آشنائے بیگانہ نما — کز ہر سخنش ہمی چکد صدق و صفا

نادیدہ بجاں شوقِ لقایش دارم — گر دست دہد جاں بسرش ریزے تما

ایضاً

اے پارسی و ریختہات ذوق انگیز — وے نظم تو چوں نثر ہمہ الفت خیز

در پردۂ سخن گفتی و رخ ننمودی — بازار خود و آتشِ ما کردی تیز

---

[1] قاضی ممتاز حسین صاحب مرحوم متخلص بہ ممتاز وکیل و رئیس پیلی بھیت تھے اور ایک شعر فارسی نظم و نثر کے نامور استاد تھے انھوں نے قدردانی کی راہ سے چند رباعیاں میری نسبت تحریر فرما کر بھیجی تھیں اُنکے جواب میں یہ تین رباعیاں میں نے بھی لکھی تھیں۔ حالی

قصائد و قطعات وغیرہ

قصیدہ۔ در مدح جناب غفران مآب حاجی الحرمین الشریفین نواب محمد کلب علیخاں مرحوم رئیس مصطفےٰ آباد۔ رام پور

اس قصیدے کی تمہید اُس وقت لکھی گئی تھی جب کہ شاعرانہ خیالات میں پہلے ہی انقلاب پیدا ہوا تھا۔ اور مبالغہ سے نفرت ہونے لگی تھی۔ اُنہیں دنوں میں پہلا دربار قیصری منعقد ہونے والا تھا جو ۱۸۷۷ء میں بمقام دہلی وقوع میں آیا۔ جی میں آیا کہ اس تمہید کے بعد کسی ایسے قصیدے کی بنیاد ڈالی جائے جس میں بقدر امکان مبالغہ سے احتراز کیا جائے۔ چونکہ حضور نواب صاحب ممدوح سے فی الجملہ تعارف تھا۔ اور اُنہوں نے سرسید کی امداد میں سب سے پہلے سبقت کی تھی۔ اور دربار میں اُنکے شریک ہونے کی قوی اُمید تھی اسلئے اُنہیں کو اس قصیدے کا ممدوح قرار دیا گیا۔ اگرچہ وہ علالت کی وجہ سے شریک دربار نہ ہو سکے۔ اور قصیدہ اُن کی خدمت میں بوجوہ دلخواہ پیش نہ ہو سکا۔

سحرگہ پردہ برگرفتند چوں از زشت و از زیبا — بدل گفتم کہ ایں نعمت آمد برتر از نعما

بگفتا نعمتے در قدر از ہم بیش و کم نبود — ز ساقی عین رحمت داں اگر جرعہ و گر مینا

ولے فرمانروائے بیدار دل زیں اصل مستثنیٰ است — کہ چوں او نعمتے نتواں نشاند از پئے دنیا

صلاحِ عالمے با رائے او وابستگی دارد — جہاں را چوں چمن میداں و او را چوں چمن پیرا

رعیت را چناں دارد کہ دارد گلہ را چوپاں — غمِ دلہا خورد زانساں کہ بازرگاں غمِ کالا

بروز از دادِ مظلوماں زمانے بر نیاساید — بشب چوں پاسباں بیدار باشد بر درِ دلہا

یتیماں را پدر وار اشک ہا از رخ فرو شوید   غریباں را چو غمخواراں برآرد خارہا از پا

اگر بیوہ زنے نالد ز دست ناخدا ترسے   بہ داد او رسد زاں پیش کاید بر لبش آوا

گدایاں را دہد بخشے کہ دہ لہا را غنی سازد   ضعیفاں را دہد زورے کہ پیراں را کند برنا

گہے برہم زند یک شہر بر فریادِ مظلومے   گہے یک جاں ستاند تا اماں بخشد جہانے را

مظالم را براندازد جہاں از فتنہ پردازد   عدالت را برافرازد ستم را افگند از پا

ضعیفاں را تواں بخشد مظلوماں اماں بخشد   بہ محتاجاں چناں بخشد کہ حاجت را نماند جا

گمارد چوں باصلاحِ مفاسد ہمتِ خود را   کند اصلاح آں چندانکہ سازد زشت را زیبا

فروزد شمعِ دیں زانساں کہ ظلمت از جہاں خیزد   ہنر را پرورد چنداں کہ گردد عیب ناپیدا

بصحبت برگزیند محرمانِ مصلحت جو را   کہ پشتیبانِ ملک و دولت آمد صحبتِ دانا

شریعت را در امر و نہی دارد تکیہ گاہِ خود   کہ چوں باشد عصا در دست ہرگز نہ لغزد پا

نسازد تکیہ در بیچارگی جز بر توانائے   کہ ابکم را ببخشد نطق و اعمیٰ را کند بینا

نباشد تکیہ در سرپنجگی بر زورِ بازوئے   کہ گہ گہ تن بعجز اندر دہد از پشۂ تنہا

گر امروزش ہمہ سامانِ عیش و خرمی بخشند   نسازد یاد دلش از تلخیِ اندیشۂ فردا

جہاں را پر کند از عدل و از طغیاں تہی سازد   ہمہ مقصودِ او ایں باشد از دنیا و ما فیہا

اگر از جائے خود جنبد زند صد فتنہ را برہم   وگر خاموش بنشیند کند صد عقدہ از ہم وا

اگر لطف آورد آید بکامِ خلق شیریں تر   ازاں انفاسِ جاں پرور کہ عیسیٰ مردہ را احیا

وگر خشم آورد با مصلحت نزدیک تر باشد   ازاں لطفے کہ شوید گردِ کیں از خاطرِ اعدا

صلاحِ ہر یکے جوید چہ در پیدا چہ در پنہاں   بود در بندِ احسانش اگر ناداں وگر دانا

بصورت ملتفت اما نہ بندد جز بمعنی دل   بہ دنیا مشتغل اما نباشد فارغ از عقبیٰ

بود تا در دیارِ خویش سر بر پا نشانندش	دگر افتد بملکِ غیر در چشمانِ ہندش جا
اگر خواہی جہاندارے چنیں بیدار دل بینی	بیا در خیمہ گاہِ دیں پناہِ خسرو والا
دریں جشنِ شہنشاہی کہ گوئی حشر اعیان است	زمانے چشمِ دل بکشا و بنگر عینِ اعیاں را
سحابِ مکرمت کلبِ علیخاں آنکہ در عہدش	گدا از شاہ و مفلس از تونگر دارد استغنا
نیابی ہیچکس کش بار گردن نیست احسانش	چہ دولتمند مستغنی چہ عزلت گیرِ بے پروا
نہ تنہا صیتِ احسانش بہند افتاد و قطاعش	کہ شد آوازۂ جودش بلند از یثرب و بطحا
گر از لب بند بکشاید دمد بر گوشِ ما افسوں	و از رخ پردہ بردارد نظر بارا کند شیدا
رشحہ روشن تر از مہر و سرے بالاتر از گردوں	کفے ریزندہ چوں ابر و دلے جوشندہ چوں دریا
جبیں انوار را مسکن ضمیر اسرار را مخزن	بروں زیبا دروں روشن زہے صورت زہے معنیٰ

ق

خوشا وقتِ سخن سنجے کہ چوں بامدح پردازد	نگہدارد عنانِ خامہ را از جادۂ اطرا
کہ نبود ہیچو بیتے سادہ ہرگز کارگر در دل	اگر صد بیتِ رنگیں در ستایش کس کند انشا
دو صد اغراق با یک قولِ صادق برنمی آید	فَاِنَّ الحَقَّ یَعلُو کُلَّ بُہتَانٍ وَّلَا یُعلیٰ
بحمد اللہ کہ من مداحِ آں سرچشمۂ فضلم	کہ در فضل و کمالش ہرچہ گویم باشدش زیبا
بہر فن پایہ اش والا بہر علمش یدِ طولیٰ	بہر رمزے دلش دانا بہر صیدے کفش گیرا
بہر منزل نگہش راہے بہر کویش گزرگاہے	بہر جائش علم برپا بہر راہش قدم پویا
بجائے کز ہنرمنداں کسے را در شمار آرند	ہنر بالد کہ مَن لِی غَیرَۃٌ فِی الدِّینِ وَالدُّنیا
بوقتے کز جواں مرداں عزیزے در حساب آید	کرم گوید کہ مَا لِی دُونَہٗ مُنجِیٍ وَّلَا وَاقِی
بہ بزمے کز سخن سنجاں حدیثے در میاں افتد	سخن بر خویشتن بالد کہ ما از شاہ و شاہ از ما

سخن را برتری داده عبارت را تری او — او را دلبری داده زہے نثرے زہے انشا

معانی با نزاکت چوں ادا با حسن ہم پہلو — مبانی با عذوبت چوں صفا با دوستی ہمپا

رباعی شیوہ دارد کہ نتواں دید در جادو — غزل کیفیتے دارد کہ نتواں یافت در صہبا

رباعی مثنوی از برقِ خاطف در سبکگاں تنی — غزل مینی زنی بر سنگ جام بادۂ حمرا

جزالت با قصائد تواماں چوں اوج با کیواں — شگرفی با قوافی ہمعناں چوں موج با دریا

عروجِ پایگاہِ مصطفیٰ آباد را نازم — کہ دارد ایں چنیں فرمانروائے مملکت پیرا

ق

تو اے کز وصفِ شیراز و صفاہاں قصہ ہا رانی — یکے در مصطفیٰ آباد رفتہ چشمِ دل بکشا

نہ پندارم کز ینساں دیدہ باشی در جہاں شہرے — ہنر را مسقط الراسے دیں را ملجا و ماوے

بہ ہر دکاں متاعِ علم و حکمت چیدہ تو بر تو — بہر بزم اندروں روشن چراغِ ملّتِ بیضا

ہم از اہلِ صناعت کاملانش چار سو بینی — ہم از اربابِ علم و فضل یابی فوج فوج انجا

فقیہاں اجتہاد آثار و دانایاں فلاطوں رائے — حکیماں شہرہ در علم و طبیباں در عمل یکتا

گروہے از سخن سنجاں کہ باشند زاں ہمہ ہر یک — سخن را زندگانی بخش و معنی را حیات افزا

بموسیقی بسے از سحرکاراں نکیسا دم — کہ نبود شاں چو بونصرے دریں رہ ہمسر و ہمتا

خوشا شہرے و فرخ شہریارِ نامبردارش — نگہدارد خدا ایں ہر دو را از ناخوشیِ دنیا

ق

تو اے کز سیرِ لشکرگاہِ[1] سرورانِ ہند مے آئی — چہ آوردی بگو از جنسِ معنی ارمغاں مارا

گرفتم دیدہ از ملک و دولت بہرہ ور جمعے — ولے کم دیدہ باشی علم و دولت را بہم یکجا

[1] یہ خطاب ہے اس فرضی شخص کیطرف جو گویا کہ دربار میں آئیوں اور لشکری مہمانوں کے ڈیروں اور خیموں کو دیکھکر واپس آیا ہے ۱۲

گشادستند بر روئے ہوا صد طبلۂ عطاراں — مشامے کو کہ دریابد شمیمِ عنبر سارا

بگلشن جلوۂ ہر نونہالے دیدنی دارد — ولے در خاطرِ بلبل نگنجد جز گلِ رعنا

کسے کو باشد از پیرایۂ علم و ہنر عاری — بچشمِ اہلِ دل ہیچ است اگر جمشید اگر دارا

ق

الا اے آنکہ از مدحش مرا رطب اللساں دیدی — نہ پنداری کہ فرِ مال و جاہم بردہ است از جا

سزاوار ستایش گر بہ تنہا سیم و زر بودے — نمیکردند صدیقاں رم از صفرا و از بیضا[51]

ولے با فرِ صورت حسنِ معنی جمع چوں دیدم — نیارستم زباں بستن ز شکرِ واہبِ یکتا

کہ در اسلامیاں از جنسِ ایشاں مہترے آورد — بماں از علم لذت کش بعلم از مالِ بے پروا

نوید اہلِ جہان آباد را کایں روز آں روز ست — کہ نازد ہر قدر ایں بقعہ برخود باشدش زیبا

ورودِ[52] حضرتِ نواب در دہلی بداں ماند — کہ آب رفتہ سوئے آبداں باز آید از دریا

مرا ایں نغمہ بر لب بود کاوازے بگوش آمد — کہ پرشد ساغر امروز از ناکامیِ فردا

توقع داشتیم از مقدمِ نوابِ دیں پرور — کہ روزے چند ایں ویرانہ گردد خویشتن آرا

ولے ناسازگاری ہائے بخت واژگوں نگذاشت — کہ کشتِ خشکِ ما را تر کند ابرِ کرم فرما

برو حالی تحمل پیشہ کن در ہر خوش و ناخوش — کہ سرے ہست پنہاں در عسیٰ اَن تکرھوا شیئاً

ہلالِ عید را گر بینی و گر منتظر باشی — فروغ افزاید آں در چشم و خرم دارد ایں دل را

خداوندا بحقِ آنکہ از اعجازِ انفاسش — بدستِ پاکِ او مشتِ حصارا کردہ گویا

---

[51] یہ اشارہ ہے حضرت عمرؓ کے قول کی طرف کہ یا صفراءُ و یا بیضاءُ غُرّی غیری یعنی اے سونے اور اے چاندی میرے سوا کسی اور کو دھوکا دینا ۱۲

[52] اس میں اشارہ ہے اُس زمانہ کی طرف جبکہ نواب ممدوح کے والد ماجد نواب یوسف علیخاں مرحوم دہلی میں بحالت طالب علمی مقیم تھے۔ اور نواب ممدوح صغر سن میں اُنکے ساتھ یہیں رہتے تھے ۱۲

ببخش ایں مہتر کہتر نواز فیض گستر را	نصیبے کامل از دنیا و از دیں بہرہ اوفے
بدہ اندوہ و غم را در درون خاطرش راہے	کہ با جمعیتش وابستہ شد جمعیت دلہا
دگر یارب ادا ہا گر بجنبد وقت آں آرزو دارم	کہ یکرہ برورش خود را زنم چوں تشنہ بر دریا
تکلف نیست در ہر چہ از دعا و از ثنا گفتم	تو دانی حال ما یا عالما بالجہر و الاخفا

قطعہ بر وفات آنریبل نواب محمد علیخاں مرحوم متخلص بہ رشکی خلف اکبر حضرت نواب محمد مصطفےٰ خاں رحمہ اللہ رئیس جہانگیرآباد ضلع بلند شہر

دریغ از رحلت نواب رشکی	کہ بود امید گاہ حالی زار
بصورت گرچہ بود از دیدگاں دور	نبود از دل نہاں یک لحظہ زنہار
بیاد صحبت دیرینہ او	بدے روشن ترا از روزم شب تار
زمرگ خواجہ گم گردیم صد حیف	متاع کاسد خود را خریدار
دریغ آں شاد باش و شادمانی	دریغ آں کس مرنجاں کس میازار
دریغ آں عہد وصل گاہ گاہی	کہ مے آمد پس از یک سال یک بار
دریغ آں یاد صحبت ہائے پیشیں	کہ مے شد تازہ از انشاد اشعار
دریغ آں یادگار عہد اسلاف	کہ یاد از وضع شاں میداشت بکردار
قدیماں راندر اندے از در خویش	اگر بودند مجرم یا خطاکار
بعمر خویشتن نگرفت گاہے	بجرمے خشم بر خیل پرستار
مقرر داشتے چوں رزق مقدر	بہر کس ہر چہ مے بخشید ادرار
چناں کایزد ورد فردی نہ بندد	بجرمے یا خطائے بر گنہگار

زحالی گرچہ کہتر بود در عمر
ولے بر بست زینجا پیش از و بار

نگر از ناصبوری چشم بیناشت
کہ رخشے پیش از ما راند رہوار

بلے چوں جنگ نتواں با قضا کرد
بمرگش صبر باید کرد ناچار

ولے از دل نگردد یادِ او محو
بود تا جانِ محزوں در تنِ زار

قطعہ تاریخ وفات قبل از وقت سیّد محمود علی مرحوم خلف سیّد میر علی نبیرۂ مہین برادر جناب سر سیّد احمد خاں بہادر رحمہ اللہ کہ از طلبۂ رشید کامیاب محمڈن کالج علیگڈھ بود

زبدۂ اترابِ حسنِ جمع محمود علی
آنکہ در باغِ شبابش بود آغازِ بہار

آنکہ انوارِ نجابت می درخشید از رخش
آنکہ آثارِ رشادش از جبیں بود آشکار

آنکہ در کسبِ علوم آخر بہ پایاں برد راہ
گرچہ آمد سنگ ہا در راہش از لیل و نہار

در ہزار و سیصد و نہ[۱۳۰۹] کرد دنیا را وداع
پیش ازاں کز باغِ دنیا ہیچ چیند برگ و بار

پیش ازاں کز نخلِ سعیِ خویش افشاند رطب
پیش ازاں کز پاے وے بیروں برآرد نوکِ خار

پیش ازاں کز ثمرۂ تعلیم گشتہ بہرہ ور
گل و ماند سرپرستاں را براہِ انتظار

پیش ازاں کز عمر و از دولت نصیبے یافتہ
ہم نیا را یار گردد ہم پدر را غمگسار

آنکہ بودے چشمِ یاراں را فروغ از دیدنش
آنکہ گشتے از فراقش خاطرِ یاراں فگار

حیف کز یاراں فراقِ جاودانی برگزید
ناگرفتہ در جہاں چوں قطرۂ شبنم قرار

یارب او را کز جہاں شد با دلِ پُر آرزو
جاے صدیقاں بدہ از لطف در دار القرار

قطعہ بر وفات وزیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسن خاں مرحوم وزیر ریاست پٹیالہ

آہ از مرگِ مفاجاتِ وزیر الدولہ　　کہ فرو رفت بحیرت خبرش ہر کہ شنید

بزند تا بد جگر این داہیہ دہیا را　　کامد از پردۂ تقدیر بناگاہ پدید

فارغ از ماتمِ فرزندِ جوان ناگشتہ　　رخت زی منزلِ فرزندِ جوان باز کشید

خلق را بہ نشدہ زخم دو تیر ستمگر　　کز فلک بر اثر این ناوکِ دلدوز رسید

شہر پٹیالہ نہ تنہا بہ غمش نوحہ سرا است　　کہ بہر ناحیہ زین نالہ بدست نشنید

اے بسا چشم کزین واقعہ خونناب فشاند　　اے بسا دست کزین غم گریباں بدرید

صبر بر مرگِ عزیزے نتواں کرد آرے　　کہ بود فرد در اقران و در امثال وحید

آنکہ تردستیِ او در کرم و بذل و سخا　　رسم اجداد ز سر کردہ بعالم تجدید

آنکہ ہر گاہ لب از لطف کشادے بسخن　　گفتی از خلد نسیمِ سحری باز وزید

منتش شاملِ ہر فرقہ چہ بیگانہ چہ خویش　　لطف او عام بہر کس چہ قریب و چہ بعید

زخم مشکل کہ بہ تدبیر شود چارہ پذیر　　کہ ازین واقعہ بر دولتِ پٹیالہ رسید

ہمہ عمرش بنکوخواہیِ دولت بگذشت　　تا توانست در اصلاحِ مفاسد کوشید

گر بکاوند ہمہ مملکتِ خالصہ را　　این چنین صاحبِ تدبیر و خرد نتواں دید

گر ازو بودہ او کس بہ تلافی خیزد　　کش بود در کفِ پے قفلِ در بستہ کلید

در علیگڈھ کہ بنا یافتہ دار العلی　　از مددگاریِ یاریش ہمے پشت امید

یاورے گم شدہ از دست عزیزاں ہیہات　　کہ ز دوراں بدلش مے نتواں باز خرید

ذکر او ماند جاوید دریں دار علوم　　کش نکو خواستہ تا بود و نکو اندیشید

مُردنش گرچہ ہنگام نبود ست امّا | عاقبت روزے ازیں جرعہ ببایست چشید
مُرد و با خویشتن از خلق بجز خیر نہ بُرد | ایں چنیں مرگ نکوتر ز حیاتِ جاوید

قطعہ در نوحۂ وفاتِ جناب مشیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسین خاں مرحوم برادر خُرد وزیر الدولہ مغفور

آہ از مرگِ مشیر الدولہ آہ | آں عمادِ قوم و رکنِ خانداں
درسگاہِ قوم را پشت و پناہ | دودمانِ پھول را حرزِ اماں
آں بصورت انسی و در سیرت مَلَک | آں بدانش پیر و در ہمت جواں
آں بہ تدبیر و خرد بوذرجمہر | آں بہ حزم و رائے سولونِ زماں
آں بشورے یک مشیرِ پختہ کار | آں بہ دیواں یک دبیرِ کارداں
در سیاست از مفاسد برکنار | در دیانت از تعصب برکراں
آنچہ ملت دیدہ است از خُلقش | باغِ خرّم مے نہ بیند از خزاں
آنچہ دولت را رسید از نُصحتش | کم رسد گلزار را از مہرگاں
عمرہا باید کہ خیزد مثلِ او | بحر و برّ از سرزمینِ پھلکیاں
در کراچی چوں فراقش دست داد | بود گوئی آں فراقِ جاوداں
ناگرفتہ دم ز سیرِ سندھ آہ | کرد زیں رحلت [illegible]
منتظر بودیم از و پیغام را | کامد و پیغامِ مرگش ناگہاں
جز نکوئی در خصالِ او نہ بُد | ہیچکس ہم در عیاں ہم در نہاں
در صفا آئینہ سرّش چوں عَلَن | از ریا پاکش نہاں ہمچوں عیاں

آہ ازاں مخدوم خادم پرورے — مہرباں تر از پدر بر خادماں

آہ آہ آں خواجۂ مہماں نواز — از کرم منت پذیر از میہماں

آہ ازاں در شادی و غم پائدار — آہ ازاں در ناخوش و خوش شادماں

قصہ کوتہ بود یک فردِ فرید — کامدہ از وصفِ او قاصر زباں

از خرد پرسیدمش سالِ رحیل — گفت سالِ رحلتش مغفور داں

۱۳۳۴ھ

قطعہ[۵۱]

تو اے کہ رونق پیشینیاں بہم شکست — ز نظم و نثرِ تو کاندر زمانِ ما گفتی

چہ نغمہ ہا کہ بہ قانونِ ذوق سنجیدی — چہ بذلہ ہا کہ باندازِ دلربا گفتی

رسید نشۂ عرفاں چو ذکرِ مے راندی — شگفت خاطرِ یاراں گر از صبا گفتی

دوید ریشہ بدلہا چو حرفِ مہر زدی — دمید نخلِ تمنا چو از وفا گفتی

گہر بہ بزم فشاندی اگر ثنا خواندی — اثر ز لفظ و ماندی اگر دعا گفتی

ہزار عقدۂ سربستہ باز بکشودی — ہزار نکتۂ پوشیدہ برملا گفتی

ز سرِ تفرقہ و جمع قصہ ہا راندی — ز سرِ انفس و آفاق رازہا گفتی

برآمد از دلِ بیگانگاں ترانۂ ذوق — بہ محفلے کہ سخن ہائے آشنا گفتی

لطیفہ ہا کہ بہ لفظ و بیاں نے گنجید — تو چوں فرشتہ ز غیب آمدی و گفتی

بحقِ لطفِ کلامت کہ ہست بر دلِ ما — کہ پایۂ سخن افراشتند تا گفتی

[۵۱] جس موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا اُسکے متعلق مفصل بحث یادگارِ غالب میں درج کردی گئی ہے۔ اِس قطعہ میں مرزا غالب مرحوم کی طرف خطاب کیا گیا ہے۔ اور جو مضامین اس قطعہ میں درج کیے گئے ہیں اُنکا ماحصل بغیر یادگار غالب کے دیکھے اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہو سکتا ۱۲

تو آنکہ ہر سخن نغز تو بدل جا کرد — جز آں کہ در حق حالی برمز وا گفتی

ہر آنچہ گفتہ اند بجواب عرض نیاز — خطا بود کہ بگیرم اگر خطا گفتی

ولے بعذر بدہ از حرف چند با خویشم — کہ گر نہ گفتہ ام آخر تو از کجا گفتی

عجب کہ قاعدہ دان نیازمندی را — سفیہ و بے ادب و خود بین و خود نما گفتی

عجب کہ چاشنی اندوز خاکساری را — رہین ذوق نوا سنجی انا گفتی

عجب کہ مشعلہ را از نقد ناسره اش — بہ زرق و رنگ غرض کیمیا گفتی

نہ راہ حرف بسویت نہ جائے من پیدا — جواب چیست اگر پرسم از کجا گفتی

اگر نہ روئے سخن با تو بود مے گفتم — بگو نہ گفتی و چوں گفتی و چرا گفتی

ولیک شرط ادب نیست بر تو خردہ گرفت — ہر آنچہ در حق من گفتہ بجا گفتی

قطعہ دیگر

تو آنکہ عذر فرستادہ بے گنہی — سزد کہ جان گرامی بر آن نثار کنم

شکایتے کہ توان گفت عین اخلاص — گرم تو دوست شماری ہزار بار کنم

نماند قاعدۂ شکر بے ریا بجہاں — اساس دوستی از شکوہ استوار کنم

چو شکوہ جز بہ تقاضائے دوستی نبود — ز غیر شکر و شکایت دو ستدار کنم

سرشت پاک دل صاف دادہ اند مرا — بحرف تلخ دلے خالی از غبار کنم

خوش آنکہ ساز کنم از تو شکوہ بیجا — تو اعتذار کنی و من افتخار کنم

خوش آنکہ عذر تو چوں در کند مرا از پا — دگر بہ پیش تو تمہید اعتذار کنم

بدان سرم کہ اگر عمر ماند زیں پس — ق — ز کارہائے جہاں خاص این دو کار کنم

ز کردہ توبہ نمایم ز گفتہ استغفار — دگر سپاس تو پنہان و آشکار کنم

ترجیع بند

مرثیہ نواب مختار الملک سر سالار جنگ میر تراب علی خاں مرحوم مدار المہام سرکار عالی نظام کہ از طرف کمیٹی تعلیمی رشتہ العلوم علیگڈھ اشاعت یافتہ

داشت ہر کس بزباں مدحتِ مختار الملک — کامد از در خبرِ رحلتِ مختار الملک

تا چہ افتاد پس از نہضتِ مختار الملک — بر سرِ حشمت و جمعیتِ مختار الملک

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

لشکر از ماتمِ او چاک گریباں شدہ است — کشور از مردنِ او یکسرہ ویراں شدہ است

اے بسا چشم کزیں حادثہ گریاں شدہ است — حیدرآباد تو گوئی ہمہ بے جاں شدہ است

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

منتے ہست ازو بر سرِ سرکارِ نظام — کہ بشکرش نتواں کرد بصد سال قیام

ہم ازو یافتہ عدلیہ "دیوانی" و مالیہ قوام — ہم بدو لشکر و ضبطیہ (پولیس) پذیرفت نظام

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

آہ کایں درد نہ دردیست کہ درماں دارد — ملک ازیں واقعہ لرزہ بدر ارکاں دارد

قوم ازیں واقعہ انگشت بدنداں دارد — تا فلک در پسِ ایں پردہ چہ پنہاں دارد

ای اجل گر تنِ بیجان تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

چشمِ اسلام ازین غصہ بخوں تر گردید ‏ ‏ ‏ ‏ ملت از حالتِ پیشینہ زبوں تر گردید

علم دیں کہ نگوں بود نگوں تر گردید ‏ ‏ ‏ ‏ قیمتِ خواجہ پس از مرگ فزوں تر گردید

ای اجل گر تنِ بیجان تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

دوست تا دشمن او زند طمعِ یاری داشت ‏ ‏ ‏ ‏ ملک از نیروی تدبیرش استواری داشت

دولتِ عہد ازو چشمِ وفاداری داشت ‏ ‏ ‏ ‏ گردنِ قوم ز احسانش گرانباری داشت

ای اجل گر تنِ بیجان تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

آہ ازاں بذل و سماحت کہ نیابیش ہمال ‏ ‏ ‏ ‏ آہ ازاں عقل و کفایت کہ نہ بینیش مثال

سپس از ہند چنیں مرد نخیزد صد سال ‏ ‏ ‏ ‏ خاصہ از قوم کہ افتادہ دراں قحطِ رجال

ای اجل گر تنِ بیجان تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

در جہاں سوگ چہ کہ شد زاد عزیزاں بنیاد ‏ ‏ ‏ ‏ در سگاہی کہ ز طوبی ثمرش باد زیاد

تا کہ گیتی بود ایں قصرِ ہمایوں آباد ‏ ‏ ‏ ‏ خلق در یادِ جواں مردیِ او خواہد داد

ای اجل گر تنِ بیجان تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

کیست در ہند کزیں غم لبِ حسرت نگزید ‏ ‏ ‏ ‏ کیست از قوم کزیں غصہ گریباں ندرید

تا بہ جائیکہ چو ایں نالہ جانکاہ شنید　　　حالیِ گوشہ نشیں ہم ز جگر آہ کشید

اے اجل گر تنِ بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکوناییش از یاد بری

قصیدہ در تہنیت عید الفطر بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم

صبا جہار روز و شب بکامِ تو باد　　　صبح نوروز و عید شامِ تو باد
عیدِ سالِ ہزار و سیصد و شش　　　بر تو فرخندہ و بکامِ تو باد
شاہ نامیدہ آسماں جاہت　　　آسماں مفتخر ز نامِ تو باد
شاہ کت ملک را سپردہ عناں　　　نظم اوقات کم ز قیامِ تو باد
شاہ از رائے تست فارغ بال　　　خلق خرسند از نظامِ تو باد
آرزو ہاست زندہ از کرمت　　　فتنہ ہا مردہ از حسامِ تو باد
گنج معمور و ملک آبادان　　　از بقائے شہ و دوامِ تو باد
قصرِ والا اساسِ ملکِ نظام　　　محکم از پشتیِ نظامِ تو باد
ہر کہ در چار سوئے ملکِ نظام　　　خیرہ و سرکش است رامِ تو باد
شرمساری عقوبتے است عظیم　　　عفو تا از خصم انتقامِ تو باد
در سیاست گرہ بر ابرو نیست　　　خوشنما ہمچو لطفِ عامِ تو باد
برقِ تیغِ تو خشک و تر سوزست　　　یارب آں برق در نیامِ تو باد
عدل ز انسانکہ وجہ ہمتِ تست　　　ہمہ در ضبط اہتمامِ تو باد
در قضایائے صعب ملت و دیں　　　شرعِ خیر الورٰی امامِ تو باد

در امورِ عظامِ دولت و ملک — بخداوند اعتصامِ تو باد

مقصدِ خلق طوفِ درگہِ تست — پرسشِ حالِ شاں مرامِ تو باد

ساز و برگِ دعائے مظلوماں — مایۂ عیشِ مستدامِ تو باد

بر زبانِ خلق راستایشِ تست — در دلِ خلق احترامِ تو باد

اے مدار المہامِ ملکِ دکن — فتح دلہا خود از مہامِ تو باد

تا بنوشند بادہ اندر جام — بادۂ خوشدلی بجامِ تو باد

تا فشانند دانہ در تہِ دام — دلِ عالم اسیرِ دامِ تو باد

ہر شمیمے کہ ناگوار آید — دور پیوستہ از مشامِ تو باد

ہر نسیمے کہ از جناں خیزد — طرب انگیز در خیامِ تو باد

در جہاں ہر کہ ہست چوں حالی — طالبِ کام و ناز و نامِ تو باد

قصیدہ در تہنیتِ عیدِ اضحیٰ بجنابِ نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکارِ عالی نظام

عیدِ اضحیٰ کہ آفریں باد و درودش ظفر — باد بر جانب ز عیدِ رمضاں فرخ تر

نائب السلطنہ نواب بشیر الدولہ — عمدۃ الملک فلک جاہ امیرِ اکبر

آنکہ بپا ندہ از نظم و سیاست حقے — کز پئے ملک سپر بودہ ز ہر فتنہ و شر

آنکہ از لطف و کرم کردہ رواں شہر وسطے — کہ خس و خارِ الم بُرد بروں از کشور

آں سپہرِ شرف و مجد کہ در جاہ و جلال — پایہ اش برتر از آن است کہ گنجد بفکر

آں سراوجِ کرامت کہ ز والا گہری — بے نیاز آمدہ از مدح چو ماہ از زیور

ق

صاحبا عادتِ قومے ست که در مدح و ثنا
هر یکے ساز کند نغمه به آهنگ دگر

آں یکے جز به مدیحت نه کشاید لب را
تا بدانند که جز مدح ندارد در سر

واں دگر پیشتر از مدح ستاید خود را
تا فریبد دل ممدوح به اظهارِ هنر

جمعے از شکوهٔ گردوں سخن آغاز کنند
کز شکایت بود از شکر بدل گیرا تر

قومے از مدح گرایند به تشبیب و غزل
کز نمک چاره نباشد چو بخوردند شکر

بعد ازیں طائفه باشند که در وقتِ مدیح
دمبدم حسن طلب جلوه دهند از هر در

گر قصیدست و گر تهنیت ایں ست شعار
نکته سنجاں را در مدح عزیزاں یکسر

منکه جز خواجه کم آلوده ام اندر همه عمر
ذهن خویش به مداحیِ ممدوح دگر

لاجرم خامه دریں مرحله پرنا بلد ست
مے نداند که چساں طے کند ایں راهگذر

تهنیت خود سخنے بیش نباشد که دروے
چوں بگویند مکرر نبود هیچ اثر

ور بجز محمدتِ خواجه نه راند حرفے
بتملق کندش وهم بهر شهر سمر

ور بعرض هنرِ خویش دکاں بکشاید
ایں خرافت نبود طبع زماں را درخور

ور به تشبیب و غزل روئے سخن آراید
نیست ایں زمزمه با جز به جوانی اجدر

ور نهد بر طلبِ جائزه بنیادِ کلام
کرده باشد مگر از شرم و حیا قطعِ نظر

آنکه از مائدهٔ فیض تو ادرار خورد
و آنکه از نعمتِ تو بهره برد شام و سحر

دل رضا چوں دهدش کز تو عوض دارد چشم
بر سپاسے که ازاں هیچگهش نیست مفر

خامه زینجاست که از غایتِ حیرت زدگی
اندریں مرحله نشناخته پا را از سر

پس هماں به که کند ختم سخن را بدعا
که دمِ عجز نیاید به دعا مدحت گر

تا کنند اهلِ سخن مدح ملوک و وزرا
تا ملوک و وزرا مرجعِ فضل اند و هنر

باد اوصاف تو از مدح و ثنا مستغنی　　گرچه باشند به مدح تو عزیزان مضطر
باد در سایهٔ محبوب علیخان ایمن　　دولت آصفی از هر حدث و فتنه و شر

قطعه در سپاس لطف و کرم جناب کرنل هالرائڈ و قتیکه عنان ادارهٔ تعلیم پنجاب بدست ایشان بود

اولاً شکر آنکه فرمودی　　حاجت بنده بے دریغ روا
ثانیاً عذر آنکه چندین بار　　آمدم از پے صداع شما
آن شنیدی که گفت افلاطون　　رنج برد آنکه در نکو یہا
رنج او عاقبت به پایان رفت　　لیک نیکی همیشه ماند بجا
راست گویم گزاردن نتوان　　حق لطفے که کردهٔ بر ما
مے کنم ختم بر دعا گفتار　　که نیاید ز بنده غیر دعا

ترتیب ماه ہائے جلالی در نظم

آذر و دے بہمن اسفندار فروردین بہشت　　باز خرداد است و تیر است امرداد اے جوان
باز شهریور پس مہر است و آبان بعد از و　　هر یکے از ماه جلالی پیش تو کردم بیان

فرد

چه بندخوان نعمتے چوں سیر شد دل از جہاں　　داد ند آب زندگی اما پس از نزع رواں

شکریہ مسٹر وٹن افسر محکمہ پرمٹ از طرف عزیزی انشاء اللہ خاں مرحوم دہلوی

فرزانہ امیر دادگر وٹن ۔۔۔ کز داد و کرم زمانہ بنواخت
دستش بگرفت زود بر داشت ۔۔۔ آنرا کہ فلک ز پا بر انداخت
بنواخت بقدر پایۂ او ۔۔۔ آں را کہ زمانہ قدر نشناخت
اصلاح ادارہ نمک کرد ۔۔۔ زانساں کہ ز ہر خلل بپرداخت
آوازہ فگند دارو گیرش ۔۔۔ زاں گونہ کہ دزد زہرہ در باخت
تا خواستہ کام ما روا کرد ۔۔۔ نا ساختہ کارہائے ما ساخت
از فیض نیازمندی اوست ۔۔۔ انشا کہ ز ناز سر برافراخت

قطعہ بر طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جواں مرد آزادہ عاشق کہ نیست ۔۔۔ در اقران خود کس مر او را قریں
نہ صیادہ ہموارہ از حسن خلق ۔۔۔ پے صید آزادگاں در کمیں
نہ سحارہ پیوستہ ز افسون نطق ۔۔۔ کشندز آشیاں باز و شیر از عریں
ہمے بارد از جبہہ اش انبساط ۔۔۔ اگر مہرباں ہست و گر خشمگیں
نہ بینیش گہ سر کہ برابرواں ۔۔۔ نہ یابیش افتادہ چیں بر جبیں
دو سال ست کافسون مہر وفاش ۔۔۔ ربودست صبرم ز جان حزیں
و ۔۔۔ بہ پیوند نا آشنا ۔۔۔ کہ بودست فارغ ز مہر و زکیں
ندانم کہ عاشق چہ افسون دمید ۔۔۔ کہ در باخت خود را بمہرش چنیں

سر رشتهٔ ہیہات دادم ز دست — سخن ز آسماں بود و رفت از زمیں
کنوں رانم از طبع دیوان سخن — که شد جلوه فرما بنوعے گزیں
دریں روزہا کز صروفِ زماں — سخن شد مہان و سخنور مہیں
عروسِ سخن مے نیرزد بہ جو — بحسن ار بود غیرتِ حورِ عیں
صد آباد بر عاشق و عزمِ او — که در دورِ ناسازگارے چنیں
ز معنی بہ بیگانہ و آشنا — فشاندست گنجینہ از آستیں

قصیده درشان جناب مستطاب ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں والی دولت خداداد افغانستان خلد اللہ ملکہ۔ وقتیکه برائے ملاحظہ مدرسة العلوم درعلیگڈھ نزولِ اجلال فرموده بودند۔ ایں قصیده درمواجہہ ایشاں خوانده شده بود

اے رسد گر فرقِ عزت بگذرد از فرقداں — میزبانے را که شاہے چوں تو باشد میہماں
گر بہ رقص آید در و دیوار کالج دور نیست — زیں طرب کامد بہ دیدارش امیر کامراں
دولتِ بیدار مفت ما که شد مہمان ما — چوں تو مہمانِ عزیزِ قیصرِ ہندوستاں
زنده کاش امروز بودے بانیِ ایں درسگاه — تا بدیدے پایہ اش بالاتر از وہم و گماں
تا ہمہ امیدہا کاندر دل خود بستہ بود — از قدومِ شہ بچشمِ خویشتن دیدے عیاں
اے سراجِ ملت و دیں اے امیر ابنِ امیر — اے جوابِ نامدارِ خویش شاہے کاردان
سنگہا کاندر رہِ تعلیمِ قوم آمد بہ پیش — داستانِ حیرت انگیزش نگنجد در بیاں
قصہ کوتہ جہل و دانش سالہا در جنگ بود — جہل بسکوشید تا نگذارد از دانش نشاں

دولتِ ہند ار نہ بودے حامیِ ایں درسگاہ　　کوششِ بانی ہمہ برباد رفتے بیگماں

شکر للہ کز میاں برخاست آں جنگِ خلاف　　جملہ بر بستند بر امداد ایں کالج میاں

عاقبت مقبولیِ کالج بدیں غایت رسید　　تربیت گاہِ غریباں شد گزرگاہِ شہاں

شکر ایں کہتر نوازی کز قدومِ خویشتن　　اہلِ کالج را فزودی آبرو و عز و شاں

گر نویسد پارہ زاں نیست یارائے قلم　　ور بگوید اندکے زاں نیست نیروئے زباں

پس ہماں بہتر کہ گردد ورد دعا ختمِ سخن　　زانکہ ناید جز دعائے خواجہ از ما بندگاں

تا ز تعلیم است و تلقین دین و دنیا را فروغ　　تا بود وابستہ با علم و عمل نظمِ جہاں

ملتِ افغاں ز تدبیرِ تو اندر علم و فن　　گوئے سبقت بردہ باد از جملہ ابنائے زماں

آں چناں کز نوعِ خود در زور و طاقت برتر است　　ہمچناں در علم و حکمت باد ممتاز از جہاں

تا بود خیرِ صلاحِ خلق در صلح و وفاق　　تا نہالِ دوستی بار آورد امن و اماں

اتحادِ دولتِ ہند و خداداد امیر　　باد مستحکم بسانِ اتحادِ جسم و جاں

در شکر یاد آوری عالیجناب ہز ہائنس امیر الامرا آنریبل نواب سر حامد علیخاں بہادر مستعد جنگ والیِ ریاستِ رامپور دام اقبالہم

کیست یارب کز دلِ آزادگاں　　مدحِ او جوشد چو از فوارہ آب

کیست کز ذکرِ جمیلش در جہاں　　ہر کسے نادیدہ میخواند کتاب

کیست کز ذوقِ ثنایش در دوات　　خامہ مے رقصد چو برق اندر سحاب

کیست کز عمیمِ نوالش چار سو　　قانعاں را در دہن گردیدہ آب

کیست کز رویش بر افتد گر نقاب　　گوئی از شرق بر آمد آفتاب

کیست کز خویش اگر حرفے رود ‌ ‌ ‌ دفتر اخلاق شوئی باب باب

کیست کز وصفش اگر جوئیش نام ‌ ‌ ‌ ور زبان بر دل فزود آید جواب

شہ نشان حامد علیخان آنکہ نیست ‌ ‌ ‌ جز نمودارے ز رویش ماہتاب

روئے او نور ضمیرش را گواہ ‌ ‌ ‌ رائے او روے منیرش را جواب

خوئے او آمد دلیل خوئے او ‌ ‌ ‌ گرد لیلے بادیت زو رُو متاب

کیست کز اکسیر اگر پرسی نشان ‌ ‌ ‌ بشنوی خاک درش از دل جواب

چوں ز خلوت پا نہد در جلوہ گاہ ‌ ‌ ‌ یا کند در بزم جمعے را خطاب

چشمہا از گوشہا سبقت برد ‌ ‌ ‌ گوشہا بر چشمہا آرد شتاب

بردہ رہ گوئی بہ آب زندگی ‌ ‌ ‌ ہر کہ از لطف کلامش کامیاب

جاوداں ماندہ ز راحت بے نصیب ‌ ‌ ‌ ہر کہ از اعراض او در پیچ و تاب

بر دلم نادیدہ بند مہر اوست ‌ ‌ ‌ اے خوشا روزے کہ برخیزد حجاب

مہرباں بر خود گمانش کردہ ام ‌ ‌ ‌ تا چہ تعبیر آرد ایں فرخندہ خواب

اے سلف را میوۂ نخل امید ‌ ‌ ‌ وے نیاگاں را دعائے مستجاب

در جہاں باشی سلف را جانشیں ‌ ‌ ‌ تا خلف زیشاں بود نائب مناب

نام آبا زندہ باد از نسبتت ‌ ‌ ‌ تا پسر جوید بآبا انتساب

تا حساب از عمر و از دولت کنند ‌ ‌ ‌ دولت و عمر تو باد اے بے حساب

سلہ مسند نشینی کے چند سال بعد نواب ممدوح نے خاکسار کو رامپور میں یاد فرمایا تھا۔ اُس وقت اول یہ قطعہ بھیجا گیا تھا اُسکے بعد راقم خود

ترکیب بند

مرثیہ جناب مستطاب جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سید احمد خاں غفر لہٗ
۱۳۱۵ھ

بند اول

آه ازیں تیرِ گذارا کز کماں انداختند ‏ آه کز یک زخم قومے نیم جاں انداختند

اے عجب کز رحلتِ فردے ز افرادِ بشر ‏ عالمے را از قیامت در گماں انداختند

اے عجب کز مُردنِ یک پیر مردِ سالخورد ‏ تاب تب در کودک و پیر و جواں انداختند

اے عجب کز سوزِ اندوہِ وفاتِ مسلمے ‏ مردمِ ہر کیش را آتش بہ جاں انداختند

سیّد اندر قوم نقدے بود اندر کیسہ ‏ کیسہ خالی ماندہ و نقد از میاں انداختند

قوم را سرمایۂ مجد و عُلا از دست رفت ‏ بعد ازاں کایں گنج را در خاکداں انداختند

نو بہار آید دگر در باغِ قوم امید نیست ‏ بعد ازو طرحِ خزانِ جاوداں انداختند

تا قیامت گوئی از تاراجِ ما فارغ شدند ‏ کایں مصیبت بر سرِ اسلامیاں انداختند

اہلِ دیں بے یاور و دیں سکیں بے یار ماند ‏ ہر کہ ایں آوازہ در ہندوستاں انداختند

رفت و با خود رونقِ بزمِ مسلمانی ببرد
ملّت از مرگش بپژمرد و مسلمانی بمرد

بند دوم

آه آه از مرگ و آشوبِ سیّد آه آه ‏ آنکہ در ہر نا ملائم قوم را بودے پناہ

عہدِ یاری کا و بملک و دین و دولت بستہ بود ‏ تا ز تن جاں بر نیامد داشتے دائم نگاہ

مشکلِ یاراں اگر بودے ہمہ طوفانِ نوح ‏ بر مثالِ کشتیِ نوح اندر و کردے شناہ

عمرہا کوشید تا شوید غبارِ سوءِ ظن گر نشیند از رعیت بر دلِ ارکانِ شاه
چارہ ہا انگیخت تا طرحِ صداقت (دوستی ۱۲) افگند درمیانِ حاکم و محکوم و سالار و سپاه
کاروانِ قوم دور افتادہ بود از راهِ راست رفت و از بیراہہ برگرداند و آوردش براه
در مصافِ (جنگ ۱۲) دہر بودن دین و ملت را سپر حج او این بود و اینش صوم این بودش صلوٰة
سید القوم است ہر کس قوم را خدمت کند خدمتِ او پس سیادت بس بود او را گواه
گرچہ از ما مے تواند صد چو سید آورد آنکہ لعل آرد ز سنگ و لالہ از خاکِ سیاه

لیک قومے کز فراز اندر نشیب افتادہ اند
باز ہرگز در نیابند آنچہ از کف دادہ اند

بند سوم

میتوان در فضل و دانش شہرۂ دوران شدن در فصاحت ہمچو سحبان در خرد لقمان شدن
میتوان در جاه و ثروت گوئے از قارون ببرد میتوان در زہد و طاعت غیرتِ نعمان شدن
میتوان در ملک و دولت خسروِ پرویز گشت میتوان در زور و طاقت رستم و دستان شدن
میتوان قطبِ زمان شد میتوان شد غوثِ وقت ہرچہ خواہی میتوانی شد بجز انسان شدن
چیست انسانی تپیدن از تپِ ہمسایگان از سمومِ نجد در باغِ عدن پژمان شدن
خوار دیدن خویش را از خوارئ ابنائے جنس در شبستان تنگ دل از محنتِ زندان شدن
آتشِ قحطے کہ در کنعان بسوزد باغ و کشت بر فرازِ تختِ مصر از تابِ آن بریان شدن
زیستن در فکرِ قوم و مُردن اندر بندِ قوم گر توانی میتوانی سید احمد خان شدن
میتوان مقبولِ عالم گشت اما ہمچو شیخ بہرِ سودِ خلق مردودِ دوجہان نتوان شدن

جورِ اخوان دیدن و در عشقِ اخوان زیستن

زخمِ پیکاں خوردن و مشتاقِ پیکاں زیستن

بندِ چہارم

در روشِ جمعے بتقلیدِ سپہ ہمت تاختند ‎ ‎ لیک چوں رفتند گامے چند دل درباختند

زود دانستند کایں سودا نہ ہر سر را سزد ‎ ‎ اہلِ دعوئے کاندریں میداں علم افراختند

کار کارِ شیر مرداں ست کز سوزِ دروں ‎ ‎ بزم را افروختند و شمع ساں بگداختند

سیل از رہ تا دمِ آخر عناں را برنتافت ‎ ‎ گرچہ در راہش بسے خار و خسک انداختند

بود یاراں را سپر تا بود - در ہر شور و شر ‎ ‎ لیک یاراں بر سرش تیغِ جفا مے آختند

خواجہ در فکرِ صلاحِ دین و ملت در گذشت ‎ ‎ لیک اہلِ دین و ملت قدرِ او نشناختند

جز ملامت ہیچ نشنودند مزدِ خدمتش ‎ ‎ چوں بنامش قرعہ در روزِ نخست انداختند

آرے از عالم نہ دیدستند جز جور و جفا ‎ ‎ آں جواں مرداں کہ کارِ اہلِ عالم ساختند

آدمی وانگہ ز قومِ مردہ خیزد اے شگفت ‎ ‎ کایں جہانِ مردمی زیں آب و گل پرداختند

سیف کاندر جمعِ مستاں ہوشیارے بود رفت

در زمینِ شور نخلے باردارے بود - رفت

بندِ پنجم

گوئے از گردش فرو ماندہ است چوگاں را چہ شد ‎ ‎ کشتی از جا مے نجنبد - موجِ عماں را چہ شد

دہ بہ ویرانی کشید و قسمتِ دہقانش کجاست ‎ ‎ گلہ سرگرداں شود زور و دستِ چوپاں را چہ شد

چیرہ شد سہراب و ایراں - رستمِ دستاں کجاست ‎ ‎ یافت فرصت اہرمن - مہرِ سلیماں را چہ شد

تارکِ ہر کس ندارد تابِ گرزِ روزگار ‎ ‎ بر نمی تابد سرے ایں تنک سنداں را چہ شد

قوم را بیمِ عتاب و چشمِ رحم از کس نماند ‎ ‎ آں لبِ نفریں سرا - آں چشمِ گریاں را چہ شد

پند این شیرین بیانان در نمیگیرد به دل — آں زبانِ تلخ گو، آں تیغ عریاں را چه شد

شد خزان و از بهاران نیست یاراں را خبر — آں بهارِ بے خزانِ بزمِ یاراں را چه شد

دل گرفت از خندهٔ گل تا ببست از خنده لب — آں کلیدِ قفلِ دل آں لعلِ خنداں را چه شد

آں که مے بخشید جاں آں بادِ نوروزی کجاست — آنکه مے بارید دُر آں ابرِ نیساں را چه شد

اے علیگڈھ آنکه گردت شهره در امصار کو
آنکه از خاکت بگردوں برد آں معمار کو

بند ششم

آنکه از آں در بهشت صدق و صفا شیر ژیاں — آنکه در سر و علن بودش یکے دل با زباں

آنکه چوں دریا نبودے تیره از باران سنگ — آنکه از عزمش نه گشتے صورتِ کوه گراں

بود در همت چو با همت مُتّهم از راستی — ارثے این باشد دریں عالم سرائے رستماں (یعنی از عزم خود ۱۲)

یا بجز علمش نبود و علم دانی نادر است — این چنین بے کس سنو کز جهل پر از جهاں

بعد سبتیل کز جفائے قوم نگذشت از وفا (قلیل الوجود ۱۲) — کیست تا باشد برایں نامهرباناں مهرباں

خانه اش دانی یکے مهماں سرائے قوم بود — کیست مر ایں میہماناں را ازیں پس میزباں

بعد ازو کایں دشت را گلزار کرد و رفت کیست — ایں بنا را ضامن، ایں باغ را باغباں (کفیل ۱۲)

سعی با مشکل که بعد از خواجه ناید برقرار — جنبش از لعبت مجو، لعاب چوں رفت از میاں (تیلی ۱۲ — بازیگر ۱۲)

جیش را فقدانِ سر عسکر خطر دارد خطر — گله را بگسستن از چوپاں زیاں اندر زیاں

مهروان را بعد ازیں یا رب دلیلِ راه کیست
دیگر ایں بے دولتاں را یار دولتخواه کیست

بند هفتم

دوستان از مرگ نبود چارہ وز فرقت مفر چون زنان تا چند بودن بہر شیون نوحہ گر
جائے استقلال وقتِ ہمت و مردانگی ست کاین بلائے ناگہان را نیست جز ہمت سپر
ور بہ غیم شیبل اگر از فرضِ خود غافل شدید این مصیبت رہست صد چندین مصیبت برِ اثر
خواجہ دار العلمی از بہرِ شما بگذاشتہ است تا بود نسلِ شما از علم و دولت بہرہ ور
کوہ باکندہ است تا این جوئے شیر آوردہ است بو کہ آب رفتہ در جوئے شما آید ز سر
ترسم این سرچشمہ گردد تیرہ از سنگِ خلاف ہان و ہان وقت است وقتِ اتفاقِ ہمدگر
عزم جزم آرید و برخیزید وہمداستان شوید دست بگشائید و بربندید دامن بر کمر
شصت لکہین ہست در ہندوستان تو حیف نیست وہ کہ چندین خلق درماند ز کارِ یک نفر
یادگارِ خواجہ بعد از خواجہ برپا داشتن شکر او را خوب تر زین نیست اسلوبِ دگر

مژدہ او این بس کہ در اصلاحِ خود کوشید زود
کز شما غیر از شما مطلوبِ او چیزے نبود

قطعہ در شکر صحت یابی شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

للہ الحمد پس از ناخوشی و رنجِ دراز شبلیِ ما بمراد از سرِ بالین برخاست
آنکہ نامش بکمالات سمر در گیتی ست آنکہ مشہور در آفاق بہ شمس العلماست
آنکہ گر سر کند افسانۂ فضل و ہنرش خامہ مشکل کہ بپایان برودش بے کم و کاست
آنکہ خوانندش اگر فخرِ زمان خود و بس گر وہ باشند عدول اہلِ سخن از رہِ راست
بود در علتِ او علتِ قومے مضمر لاجرم صحتِ او بہرِ ہمہ قوم شفاست
بسکہ او روح دمیدہ است بتاریخِ سلف ہر قدر فخر بذاتش بکند قوم رواست

زندہ تا دیر بماناد کہ برِ تربتِ کسے — بعد ازو خلعتِ تحقیق نمے آید راست

عیدی شب برات

تعالی اللہ شبے کایزد درین شب — کساں را مقبل و مدبر نماید
اگر اقبال خواہی بندگی کن — کہ حلوا خوردنی را روئے باید

قطعاتِ تاریخ و مختلف مادہ ہائے تاریخ

قطعہ تاریخ طبع دیوان میر مہدی مجروح دہلوی

مجروح آنکہ نامِ سلف زندہ ہست ازو — ذاتش بود غنیمت کبرے درین زماں
دہلی کہ بود کانِ ہنر معدنِ کمال — امروز از کمال نیابی درو نشاں
جمعے کہ داشت سر بفلک از وجودِ شاں — راندند سوئے جنتِ ماوئے یگاں یگاں
وانانکہ ماندہ اند ازاں جمع یادگار — لبیک می زنند اجل را زماں زماں
غالب برفت و نیر و آزردہ رفت و ذوق — مومن برفت و حسرتی و عارف از میاں
رفتند و جائے خود ہمہ خالی گذاشتند — کس برنخاست تا بنشیند بجائے شاں
مجروح ماندہ است ازاں جمع یادگار — یارب بدار از بدِ دوراں نفسش در اماں
کایں عندلیب قصہ ہمی خواند از بہار — ویں گل خبر ہمی دہد از عہدِ گلستاں
دیوانِ او کہ ریختہ را دورِ آخر است — خوش میزند صلا بحریفانِ نکتہ داں
کایں مے کہ واگذاشتہ میر و میرزا ست — مے بخشش بہر جگر تشنہ رائگاں

القصہ چاپ گشتہ ازاں شد آں متاع | کاندر بہ لفظ عمر خضر دیدیم ہیچواں
پرسد اگر کسے ز تو تاریخ حالیا | گو نظم دلفریب بود سال طبع آں

۱۳ ھ ۱۶

تاریخ بنائے مکان سید عوض علی مرحوم رئیس جارچہ ضلع بلند شہر کہ حسب فرمائش برادر عزیز الوجود سید فیاض حسین مرحوم نوشتہ شد

کرد سید عوض علی تعمیر | ایں شبستان برائے نزہت دل
چوں بہ پایاں رسید ہاتف گفت | سال ہجریش از ظفر منزل
پس بجز لفظ بے مثال فزوں | تا شود سال عیسوی حاصل

۵۸۳ + ۱۳۰۷ = ۱۸۹۰ء

قطعہ تاریخ تعمیر مسجد واقع سونی پت کہ باہتمام خواجہ محمد علی مرحوم خطیب پانی پت اصل باقی نویس تحصیل سونی پت تعمیر یافتہ

محمد علی آں مددگار حق | کہ از مال و جان است بر دیں فدا
کمر بستہ بر یاری اہل دیں | بہ تعمیر ایں جامع دلکشا
پئے آنکہ زیں عہدہ آید بروں | کشیدہ بسے ماہ رنج و عنا
دگر جمعے از حق پرستان شہر | دریں کار با او شدہ ہمنوا
چو سال بنائش بجستم ز دل | بگفتا چہ خوش کرد مسجد بنا

۱۳ ھ ۹ ۳

تاریخ وفات محمد ابراہیم جواں مرگ طالب علم بی اے کلاس علیگڑھ کالج

محمد براہیم چوں ترک جاں گفت | ز نخل جوانی ثمر بر نخوردہ

بگفتم زروئے الم سالِ فوتش	بجان آفریں جان شیریں سپرد
۱	۱ × ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ھ

تاریخ بہ پایان رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

علی آں سیدِ والا کہ باشد | بنامش مہرباں جزوے ز اجزا
بود با ذاتِ او توام سیادت | چناں کز نام او مہر است پیدا
چو ایں کاشانۂ اسپیاد بنہاد | بعہدِ حاکم بیدار و دانا
گروہیں آں فیض گستر کز وجودش | شد ایں معمورہ چوں گلشن سراپا
چنیں گفتش حالی سالِ تعمیر | مکانِ بے نظیر آباد بادا

۱۲   ۹۹   ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک سادس میر محبوب علیخاں بہادر فرماں روائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ

بہ سالِ فرخ و ماہ سعید و روز فرخندہ | نظام الملک محبوب علیخاں آصفِ ثانی
بتختِ سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش | برائے وے مبارک تاج و اورنگِ جہانبانی

۱۳   ۱   ھ

تاریخ رحلت جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب مرحوم دہلوی رئیس لوہارو[^1]

دردا کہ ضیاءِ دینِ احمد بربست | رختِ سفر از جہاں کہ جائے الم است
از طاق و ز ایوان و ز بزم و مجلس | بگسستہ بہ رحمتِ الٰہی پیوست

۹۲۹   ۱۱۰   ۹۸   ۴۹   ۹۴   ۶۹۴

[^1]: یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاء الدین احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق - ایوان - بزم و مجلس کے اعداد کا مجموعہ ہے تخرجہ کرکے باقی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد ہیں ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اور یہی

تاریخ بنائے مہمان سرائے در موضع مون واقع پنجاب بسال عیسوی

بحر کریم آں وزیر چند کہ باقی ست — نام بزرگان مون بذل و نوالش

ساختہ منزل گہے چو بہر غریباں — منزلگہ ہر غریب آمدہ سالش

تاریخ بنائے باغ در موضع تسہ ضلع مظفر نگر ترتیب دادہ سید فیاض علیخان رئیس

رئیس نامور فیاض علیخاں — کہ نتواں کرد وصف او ز صد یک

بہ تسہ طرفہ باغے طرح انداخت — کہ در خوبی زند بر خلد چشمک

چو حالی سال ترتیبش ہمی جست — خرد فرمود باغ نو مبارک

قطعۂ تاریخ تعمیر چاہ بنا کردہ سید محمد ذکی رئیس سونی پت

بکند چاہ چو سید ذکی بہ سونی پت — ز خاک جوشش بزد آب صافی و شیریں

ندا رسید ز ہاتف بگوش حالی را — کہ ہست سال بنا چشمۂ بہشت بریں

قطعہ بر وفات مولوی چراغ علی مرحوم

آہ آہ از رحلت بے گاہ اعظم یار جنگ — کز میان رہ ز ہمرہاں عناں پیچید و رفت

حیف دنیا را بہ پنجہ سالگی کرد وداع — بزم ما را بزم ماتم بازگرداند و رفت

مستفیداں پر نکردہ دامن معنی ہنوز — مشتے از گنجینۂ لعل و گہر پاشید و رفت

از سحاب فیض کلکش ناشدہ سیراب خلق — ساعتے برق یمانی از افق تابید و رفت

عقدہ ہا نکشودہ ماند و نکتہ ہا نانوشتہ ماند
بہر جوئے شیر کوہِ بے ستوں کندید و رفت

گرچہ بے آزارِ خلق اعمالِ سلطانی ادا
نے زکس رنجیدہ و نے کس را برنجانید و رفت

یاورانِ قوم را تا زیست یاور بود و یار
ہر چہ بتوانست تائیدِ شاں کوشید و رفت

از دلِ پُر دردِ او گاہے صدائے برنخاست
ہستے چوں بحرِ کاہل در نہاں جوشید و رفت

طبعِ آزادش بہر ملت کہ بینی صلح داشت
در دلِ خویش و دلِ بیگانہ در گنجید و رفت

گر زید صد سال کس انجامِ او مرگ ست و بس
چوں شرر بر شمعِ دوراں میتواں خندید و رفت

قطعہ تاریخ وفات جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم جو حافظ محمد یعقوب صاحب مجتبائی دہلی کی فرمایش سے لکھا گیا تھا

شد کرامت علی ز دارِ فنا
ماند خلقے بہ گریہ و زاری

مغفرت وقفِ روحِ خواجہ کہ او
یافت رحلت بہ سالِ غفاری
۱۲۹۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نثر فارسی

دیباچہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو متضمن سوانح عمری حکیم موصوف کہ بخلاف تذکرہ نگاران پیشین حقائق و قصیہ از سفرنامہ و دیوان شعر او استنباط کردہ بصحت ہر چہ تمامتر نوشتہ شدہ است

صاحبِ ایں سفرنامہ حکیم ابو المعین ناصر بن خسرو علوی از شعرائے قدیم خطۂ خراسان ست کہ بعلاوہ شاعری در علم و حکمت و فضل و دانش شہرۂ روزگار بودہ ۔ مورخان و تذکرہ نگاران در شرح احوالش راہ تحقیق ناسپردہ و سرہ از ناسرہ باز ندانستہ پردہ ہائے تو بر تو بر چہرۂ مقصود فرو ہشتہ اند۔ واگر ایں سفرنامہ و پارۂ از دیوان اشعارش بدست نیفتادے چارہ نبود از انکہ ما نیز بدنبالِ ایشاں دویم و راہ از بیراہہ باز نشناسیم ؛

چندانکہ دریں قضیہ غور کردہ میشود چناں بخاطر میرسد کہ ہیچکس از معاصرانِ حکیم مزبور بتحریرِ حالِ وے نپرداختہ و سالہائے فراواں وقائع زندگانی او نانوشتہ ماند۔ باعث بر ایں بے اعتنائیہا آں تواند بود کہ فقہائے آں زماں از شیعہ و سنیہ چنانکہ عنقریب ذکر کردہ شود ناصر را از فرقۂ اسمٰعیلیہ[1] گمان میکردند و اسمٰعیلیاں را بہ لقبِ ملاحدہ و باطنیہ ملقب میداشتند

[1] اسمٰعیلیہ طائفہ ایست از امامیہ کہ اسمٰعیل بن امام جعفر صادق را بعد آنجناب امام برحق دانند و گویند امام جعفر صادق

پس غالب آنست که تا زمانِ ورا از احدے از فریقین بسبب تنافرے که از تعصب خیزد بنگارش
ترجمهٔ حکیم موصوف میل نکرده باشد۔ اما چون در قرون لاحقه دیوان اشعار و دیگر تصانیفش در اطراف
ممالک انتشار یافت و معتقدانِ او از حوالیِ کوهستانِ بدخشاں که مرقد حکیم در آنجا است فوج
فوج ظاهر شدند آنوقت بود که ارباب سیر بتفحص اخبار و آثارش پرداختند۔ لاکن رطب
و یابسے که یافتند یا از افواهِ عامهٔ ناس شنیدند بے تأمّل حوالهٔ قلم نمودند و افسانهائے که
معتقدانِ وے از قبل خود تراشیده بر حکیم بسته بودند آنرا از افاداتِ حکیم دانسته بے آنکه بر مصنفاتش
وے عرض کنند و صواب از خطا باز شناسند بنقل و روایتش مبادرت کردند۔ و ازیں جهت
اغتشاشے عظیم در ترجمهٔ حکیم سابق الوصف راه یافته و پے به سرِ کار بردن بغایت مشکل افتاده
اگرچه دریں روزها چارلس شیفر نام یکے از افاضل اروپا[1] احوال ناصر خسرو را در لغتِ فرانسه
بالبسطے هرچه تمامتر نوشته است اما بسبب اجنبیت زبان فرانسه کلّیةً نمیتوان گفت که چه قدر
از عهدهٔ تحقیق بیرون آمده و تا کجا داد تنقید[2] داده است۔ بناءً علیٰ ذلک در ذکرِ احوالش از مقالات
قوم بهمان قدر که منقول قابل جزم[3] است اکتفا خواهد رفت و باقی آنچه از کلام خودش میتوان
استنباط کرد نوشته خواهد شد ۔

اول اختلافے که کرده اند در تعیینِ سالِ ولادت اوست۔ حمد الله مستوفی قزوینی در
تاریخ گزیده سال سیصد و هشتاد و پنج از هجرتِ خاتم النبیین صلعم ضبط کرده است و مصنف

(بقیه صفحه ۵۳) امامت را بدو تفویض داشت و با مادر اسمٰعیل هیچ زن و جاریه را انباز نه ساخت چنانچه نبی صلعم با خدیجه
و علی با فاطمهؓ۔ نیز اسمٰعیل را خاتم الائمه دانند و بامامتِ ششم امام لاحق کار ندارند و گویند مدار امامت بر هفت ست مانند هفت روز و
هفت آسمان و هفت سیاره ۔ ۱۲ حالی

صفحه هذا [1] یورپ را معرب کرده اروپا میگویند ۱۲ [2] تنقید بمعنی نقادی ۱۲ [3] یقین ۱۲

دبستان المذاہب سیصد و پنجاہ و نہ۔ و صاحب حبیب السیر سیصد و پنجاہ و ہشت معلوم میکند اما این ہر سہ قول مردود است۔ بلکہ قول صائب آنست کہ رضا قلیخاں در تذکرۂ مجمع الفصحا[1] آوردہ و آں سیصد و نود و چہار است و چارلس شیفر در ترجمہ فرنساویۂ خویش ہمیں قول اخیر را اختیار کردہ و بقولِ خودِ حکیم تمسک جستہ کہ در بعضے قصائد خویش میفرماید ؎

بگذشت ز ہجرت پس سیصد نود و چار　بنہاد مرا مادر بر مرکز اغبر

نیز قاطبۂ تذکرہ نویساں اصل حکیم را از اصفہان معلوم داشتہ اند۔ اما ہیچ دلیلے کہ مفید جزم باشد ذکر نہ کردہ بل بملاحظاتِ چند میتواں گفت کہ او را آباءعن جدٍ با اصفہان و دیگر بلاد از عراقِ عجم و پارس ہیچ تعلقے نبودہ و اسلاف و بزرگانِ او از عہدِ مامون ابن رشید یا بعبارت دیگر از زمان امام علی ابن موسی الرضا کہ جدِّ ہشتم ناصر خسرو بودہ ہمیں در صفحات خراسان سکنے داشتہ اند و معمورۂ بلخ کہ تا زمانِ وے از دار الملک ولایتِ خراسان بودہ است باید مسقط الراس حکیم موصوف باشد چنانکہ خود گفتہ است ؎

اے بادِ عصر گر گذری بر دیارِ بلخ　بگذر بخانۂ من و آنجا بجوے حال

و ہمچنیں در بسیارے از اشعارِ خود چنانکہ ہر کس را در عالمِ غربت و دوریِ وطن اتفاق افتد بر مفارقت خراسان و اہلِ خراسان دریغ خوردہ است و نیز در سفرنامہ عبارات بسیار است کہ بر ہمیں معنی دلالت واضح دارد۔ بالجملہ سلسلۂ نسبش بہفت واسطہ تا بہ امام ہمام علی ابن موسی الرضا علیہ التحیۃ والثنا کہ در مشہد مقدس مدفون و بہ شاہ خراسان معروف است منتہی میشود۔ بعد از حفظِ قرآنِ مجید کہ

[1] این تذکرہ از تالیفات امیر الشعرا رضا قلیخاں متخلص بہ ہدایت است کہ در سال ۱۲۹۵ ہجری در دار السلطنت طہران چاپ شدہ و درین ایام بہندوستان رسیدہ است ۱۲ [2] عراقِ عجم و پارس نام دو ولایت از ممالک ایران است و تمامی مملکت ایران را کہ پارس ہمیگویند مجاز است ۱۲ حالی

گویند در سن نہ سالگی بداں مشرف شدہ سالہاے دراز بتحصیل علوم متعارفہ از معقول و منقول و علوم غریبہ فنون متنوعہ از نجوم و رمل و سائر دانشہا کہ در آں روزگار از جملہ کمالات شمردہ میشد و ہیچکس را بدون آنہا فرزانہ و حکیم نمیخواندند مشغول بود۔ گویند ورائے علوم دینیہ و فنون حکمیہ کہ میان اہل اسلام دائر و سائر بود بر کتب مقدسہ از توریت و انجیل و مجموع صحف انبیا نیز اطلاعے تمام داشت حتیٰ اینکہ فضلاے یہود و مسیحیہ آن کتاب ہا را از و اخذ میکردند۔ و آنچہ از کلام خودش در سفرنامہ مظنون میشود اینقدر ہست کہ غالباً از لغت و خط عبرانی بیخبر نبود چہ در ذکر فلسطین مضمون بعضے کتابہا کہ بہ خط عبری نوشتہ بودند شرح دادہ و بیان کردہ است مع القصہ بعد از رسوخ در کمالات علمی سالہا بر تحصیلین درس میگفت و بکشف معضلات و فتح مغلقات از دقائق عقلیہ و مسائل نقلیہ مشغوف بود تا آنکہ بتقریبے از بلخ بہ مرو شاہجہان کہ امروز مطمح نظر دولت روسیہ است شتافت۔ مرو اگرچہ الحال از تاراج مطلق العنان محسوب میشود تا دیر زمان پیشین از بلاد معتبرہ ممالک خراسان و پایتخت سلاجقہ بودہ است در عہد سلاطین عجم و ہم در دولت اسلامیہ اکثرے از علما و حکما از انجا برخاستہ اند۔ بالجملہ کار ناصر خسرو در مرو بالا گرفت۔ از وقت طغرل بک سلجوقی در نیشاپور و کہین برادرش جغر بک در مرو بر مسند حکومت جا داشتند۔ امیر ناصر را در خدمت جغر بک قرب اختصاص بہم رسیدہ در سلک پیران دولت منسلک شد و چنانکہ خود در سفرنامہ میگوید از جملہ متصرفان در اموال و اعمال سلطانی و متصدی مہمات دیوانی گشت از تاریخ تمدن اہل اسلام لائح میشود کہ در قرنہاے پیشین کسانے کہ بلقب فلاسفہ اسلام ملقب بودہ اند قاطبۃ روزگار بہ ترک و تجرید میگذرانیدند و ہرگز تن بخدمت ملوک و سلاطین در نمیدادند۔ و اول کسیکہ از میان ایشان خدمت ملوک را اختیار کرد شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا بود کہ غالب ایام حیاتش در وزارت آل بویہ بسر آمدہ۔ صاحب روضۃ الصفا مینویسد کہ

بعد از شیخ الرئیس اکثرے از حکمائے اسلام کہ ملازمت حکام و ارباب فرمان اختیار کردند ہمہ اقتدا بہ شیخ کردند" از انجا کہ اہل شیخ[51] ابوعلی و ناصر خسرو از بلخ بودہ است و عروج شیخ بہ معارج حشمت و جاہ کہ در دولت آل بویہ او را دست دادہ ناصر را در عین شباب[52] مسموع افتادہ باشد و نیز ناصر خسرو بجزم و یقین دانستہ کہ اینہمہ شہرت و اعتبار شیخ جز بہ قرب سلاطین ہرگز صورت نمے بست لاجرم حکم بتواں کرد کہ اینہمہ اسباب ناصر خسرو را بخدمت آل سلجوق مائل کردہ و از گوشہ عزلت بدار الملک مرو کشیدہ باشد۔ اگرچہ ناصر خسرو چنانکہ بعد ازیں گفتہ شود دیسے نہ کشیدہ کہ از خدمت چغر بیک آزاد شدہ دیگر پیرامون آں نگردیدہ اما برادرش خواجہ ابوالفتح عبدالجلیل در عہد طغرل بک و پسرش خواجہ معین الدین در زمان ملک شاہ سلجوقی تا زمان ممتد ملازم دیوان و معتمد درگاہ بودہ اند۔

علی الجملہ تا سال چارصد و سی و ہفت ہجریہ کہ چہل و دو (۴۲) سال از عمر ناصر خسرو گذشتہ بود روزگارش در خدمت امیر چغر بیک ہمبریں منوال بود تا آنکہ داعیہ سفر حجاز چنانکہ در سفرنامہ وانمودہ است او را از جا بر انگیخت و از مشاغل دیوانی بکلی دست شست تمامت اسباب جاہ و حشمت را پدرود گفت و کہین برادر خود ابوسعید و یک غلام را ہمراہ گرفتہ رحلتے کہ روداد آں دریں سفرنامہ رقم کردہ اختیار نمود و از بلاد خراسان و عراق عجم و آذربائجان بہ آرمینیہ رسیدہ و از آنجا بہ شام و فلسطین و عراق عرب عبور دادہ در موسم حج وارد مکہ معظمہ شد۔ بعد ازیں بمصر رفت۔ و قریب سہ سال در آنجا اقامت داشت۔ و در زمان اقامت مصر دو بار بہ حج بیت اللہ و زیارت روضہ منورہ جناب رسالت مآب شرفہما اللہ تشریفاً و رحجاز آمدہ باز بمصر

---

۵۱ پدر ابوعلی از عمّال بلخ بود و در ایام سلطنت نوح سامانی بجانب بخارا رفتہ و ابوعلی ہم در آنجا در ۳۷۰ ہجری متولد شدہ۔ ۱۲

۵۲ ولادت ناصر خسرو بعد از ولادت ابوعلی بیست یک سال بودہ و در سالیکہ شیخ وفات یافتہ ناصر خسرو سی و سہ سالہ بودہ۔ ۱۲ حالی

مراجعت کرد۔ در روضۃ الصفا و حبیب السیر و دبستان المذاہب چنیں نوشتہ اند کہ ہفت سال در مصر مقیم بود و ہر سال حج میرفت اما آنچہ در سفرنامہ تصریح رفتہ است تکذیب آں میکند مع القصہ دراں ایام مستنصر باللہ فاطمی عبیدی کہ مشہورترین خلفائے فاطمیہ ہست و شصت سال بر اریکۂ خلافت متمکن بود حکومت مصر را داشت۔ آنچہ از سفرنامہ مستفاد میشود اینقدر ہست کہ حکیم را کہ با یکے از وزیران سلطنت مصر دوستی پدید آمدہ بود و یک بار بتوسط او در قصر خلافت رسیدہ عمارتہا و صفہ ہا و ایوان ہا مشاہدہ نمودہ است۔ اما ہیچ ذکر آں نکردہ کہ در مجلس امیر المومنین المستنصر باللہ باریاب شدہ یا نہ ولاکن بشہادت قرائن صادقہ کہ عنقریب بکشف آں میپردازیم بجزم و یقین میتواں گفت کہ مستنصر او را مراعات بسیار کردہ و تخم محبت یا عقیدت خویش در دلش نشاندہ بود ؛

بالجملہ در سال چارصد و چہل و یک از مصر بازگشتہ بعد گذاردن حج سویمیں در اطراف حجاز و یمن بگردید۔ و باز از راہ لحسا و بصرہ و خلیج عجم بہ پارس و از آنجا بحدود خراسان رسیدہ در سال چارصد و چہل و چار وارد بلخ شد ؛

از دیدن سفرنامہ معلوم میشود کہ حکیم موصوف را در ایاب و ذہاب دو بار از عراق عرب مرور اتفاق افتادہ اما ہیچ تصریح آں نکردہ کہ در عتبات عالیہ از کربلا و نجف و کاظمین بزیارت رفتہ یا نہ و ہمچنیں از ہیچ کسیکہ خود را شیفتہ و دلدادۂ خاندان نبوت وانماید استبعادے تمام دارد غالب آنست کہ دراں ایام زیارت ایں مشاہد متبرکہ از علامات تشیع یا از امارات تفضیل شمردہ میشد پس اگر کسے از مخلصان عترت رسول مقبول ؐ قصد آں صفحات مینمود ہرگز اعلان آں نمیکرد تا از شر نواصب مقتدر کہ ماحیٔ آثار ولائے اہل بیت بودند محفوظ تواند بود۔ و از اینجا است کہ برادران ما از اہل سنت و جماعت تا امروز با آنکہ بمزارات اولیائے امت منازل بعیدہ

قطع کردہ سیر وند باز اصلا بہ سفر عراق عادت ندارند بلکہ آنرا از خصائص متشیعین پندارند مع الحدیث از قراریکہ مذکور شد مدتِ سیر و سیاحتش بہ ہفت سال میکشد و چنانکہ از سفرنامہ معلوم گردد مسافت راہ در آمد و شد غیر از آنکہ بہ اطراف و جوانب بزیارتہا رفتہ موازی ہفت ہزار میل انگلیسی قطع کردہ و از انواع مشقت ہا و زحمت ہا آنچہ مقدور ہر بشر نباشد تحمل نمودہ و چون صعوبت و دشواری راہہائے آن صفحات خاصہ در روزگار پیشین ملاحظہ شود آن ہمہ زحمت و مشقت یک بہ دہ میشود۔ ازینجا اندازہ توان کرد کہ در قرنہائے اولین چہ قسم مردان اولو العزم و باہمت از ملتِ اسلامیہ برخاستند و چہ قدر بر سیر و سیاحت حریص بودند گویند اہالی مغرب زمین در ممالکِ بعیدہ سفر کردن و سفرنامہ ہا نوشتن از مسلمانان آموختہ اند۔ امّا این سخن امروز باور نمیتوان کرد۔ چہ با اینہمہ سہولت ہا کہ در سفر بحر و بر از اختراعاتِ اروپا ہر کس را میسر است قومے در عالم نیست کہ چون مسلمانان ولا سیّما مسلمانانِ ہند ملازم خانہ و دلدادۂ وطن و بیخبر از احوالِ بلادِ بودہ باشد۔

صاحب روضۃ الصفا و حبیب السیر چنان وا نمودہ اند کہ امیر ناصر آوازۂ حسن سیرت اسمٰعیلیہ را شنیدہ از خراسان بمصر رفتہ بود۔ اما در سفرنامہ ہیچ اظہار این قسم خواطر نہ کردہ۔ ممکن کہ از خوف ابنائے زمان سکوت ورزیدہ باشد۔ زیراچہ کافۂ اہل سنّت و متشیعہ فرقۂ اسمٰعیلیہ را از فرق ضالّہ مے شمردند و خلفائے مصر را کہ ائمہ ایشان بودند دوست نمیداشتند بلکہ تفسیق و تکفیر ایشان میکردند۔ ازینجاست کہ ناصر خسرو با آنکہ سہ سال در مصر اقامت ورزید و ارادۂ آن داشت کہ مدتِ عمر ہم در آنجا بسر آرد باز ہم تا می سفرنامہ اظہار این معنی نکردہ کہ باعث این دلبستگیہا چہ چیز بودہ است۔ باید دانست کہ خلفائے فاطمیین ہموارہ داعیۂ آن داشتند کہ بپایۂ صولت و اقتدار خویش بر ممالک آسیا اندازند و عظمت و بزرگی خلفائے بغداد را از قلوب

اہالی مشرق محو کردہ ایشان را بسوی خویش مائل سازند خاصہ مستنصر باللہ کہ شصت سال متصدی امر خلافت بودہ فرصت این کار بیشتر از خلفای ماضیہ او را دست دادہ بود و ہموارہ از طرف او گروہ ارشیش و دعاۃ درین صفحات میرسیدند تا مردم را بہ روش اسمٰعیلیہ دعوت کنند و حکومت مصر را در لباس مذہب رونق دہند و عاقبۃ الامر ظہور مساعی مستنصر بتوسط بساسیری[1] در بغداد و حسن صباح[2] در خراسان آنچنان شدہ کہ ہرکس برأی العین مشاہدہ کردہ پس احتمال میرود کہ ناصر خسرو را بجہت این مقصد نیز ہم برگزیدہ در مصر طلب داشتہ باشند کہ ہم از روی نسب با خلفای مصر خویشی داشت و ہم از روی عقیدت شیفتہ و دلدادۂ خاندان نبوت بود و بعلاوہ علم و فضل بہ رموزِ سلطنت نیز وقوفی بہم رسانیدہ و مدتی در دولت آل سلجوق بہ تکفل مہمات دیوانی بکار کردہ چنانچہ در بعضی از قصائدِ خویش کہ روداد سفر بیان کردہ است میفہماند کہ باعث سفر بجز شوق لقای مستنصر باللہ چیزی دیگر نبود و مضمون قصیدۂ مذکور را باید بر وجہ تلخیص درینجا ذکر کنیم کہ خالی از ذوق نخواہد بود میگوید "سال سیصد و نود و چہار از ہجرت گذشتہ بود کہ مادر مشفق مرا بر خاک نہاد۔ آن وقت بالندۂ بی شعور مانند رستنی بودم کہ از خاک سیاہ و آب مقطر پدید آید باز از درجہ نباتی بمرتبہ حیوانی رسیدم و روزی چند چون مرغک بی پر اینچنین بودم تا آنکہ بحالت چارمین رسیدم و ناطقہ در جسم مکدر راہ یافتہ و اثر مردمی ظاہر شدہ۔ چون عمر من بچہل و دو رسید

---

[1] بساسیری غلامی بود از غلامانِ بہاءالدولہ دیلمی شجاع با ہمت کہ باعانت مستنصر تا یک سال قائم بامراللہ عباسی را محبوس داشتہ و فرمود تا در بغداد خطبہ بنام مستنصر خوانند ۱۲

[2] حسن صباح سر حلقۂ اسمٰعیلیہ مشرق است کہ در اواخر عہد خلافت مستنصر در سنہ [illegible] ہجریہ بمصر رسیدہ مورد عنایات مستنصر شد و بعد از وفات وی ببلاد عجم گردیدہ و مردم را بامامت نزار ابن مستنصر دعوت کرد و خلقی کثیر را بمذہب اسمٰعیلی متمذہب ساخت و جمیع قلعۂ الموت و نواحی قہستان بجہت اشاعت مذہب فرستادہ و آخر تمامی بلاد رودبار و قہستان و غیر ذلک در حیطۂ تصرف آورد کہ موازی صد سال حکومت اسمٰعیلیان در آن صفحات در ترقی بود تا آنکہ در سنہ ۶۵۴ بدست ہلاکو خان نبیرۂ چنگیز خان مغل مستاصل گشت ۱۲ حالی

و خود را از ہر کس بہتر یافتم۔ با خود گفتم البتہ کسے[۵۱] میباید کہ از ہمہ خلق بہتر باشد۔ چوں باز از مرغاں و شتر از بہائم و خرمابن از درختاں و یاقوت از جواہر یا مانند قرآن از کتابہا و کعبہ از بناہا و دل از اعضائے بدن و خورشید از ستارگاں۔ پس از جائے برخاستم و سفر پیش گرفتم۔ و من بعد از خانہ و گلشن و منظر ہیچ یاد نہ کردم۔ پس حاجت خویش از پارسی و تازی و ترکی و سندی و ہندی و رومی و عبری و فلسفی و مانوی و صابی و دہری درخواستم و مکرر سوال کردم۔ بسیار از سنگ بستر و بالیں ساختم و بسیار از ابر خیمہ و چادر کردم۔ گاہے بر زمینے رسیدم کہ آب آنجا ہمچو مرغ منجمد بود و گاہے بر سر کوہے برآمدم کہ از دو پیکر بلند تر بود۔ گاہے مانند شتر باں پسمان در گردن و گاہے مانند استر بار بر پشت ہمچنیں از شہرے بآں شہر و از ینجا بہ آنجا پرسندہ و جویندہ و ہمی رفتم بعضے گفتند کہ شریعت بہ عقل راست نمے آید زیرا کہ اسلام بہ شمشیر[۵۲] قوت گرفتہ است۔ اما ایں سخن بتقلید ایشاں قبول نکردم و از حجت و برہان قطع نظر نمودم زیرا کہ حق بتقلید میسّر نمیشود۔ بارے چوں خدا خواہد کہ درے از رحمت بکشاید ہمہ دشواریہا آسان گردد۔ آخر بر در شہرے[۵۳] رسیدم کہ آنجا اجرام فلکی بندہ و چاکر و تمامی آفاق مسخّر بود۔ صحرائے آنجا مانند دیبا پر نقش و نگار بود و آب آنجا مانند کوثر عسل صافی بود۔ منازل آں شہر غیر از علم و فضل و صنوبرانِ آں باغ غیر از عقل و خرد نبود۔ شہرے بود کہ حکمائے آنجا ہمہ حریر و دیبا نپوشیدندے (مانند فقہائے خراسان) بافتہ پشم بادہ و نرد و بربط کردند۔ چوں درآں شہر رسیدم خرد با من گفت کہ بیا و حاجت خود طلب کن و از ینجا مگذر۔ پس من نزدیک پاسبانِ[۵۴] آں شہر رفتم و راز خویش بگفتم۔ گفت

۵۱ مراد ازاں جستجوئے امام زمان است ۱۲ ۵۲ ایں سخن تعریض است بہ سلطنت غزنویہ و سلاجقہ کہ ملک بقہر و استیلا گرفتہ بودند۔ بخلاف علویّہ مصر کہ در عقیدۂ خود کش برحم و انصاف از سائر پادشاہانِ اسلام امتیاز داشتند ۱۲ ۵۳ مراد ازاں شہر ملک مصر است کہ مستنصر باللہ حاکم آنجا بود ۱۲ حالی ۵۴ مراد از پاسبان آں شہر مستنصر باللہ است ۱۲ حالی۔

اندوہ مخور ایں شہر چرخ برین است پُر از اختران بلند بلکہ بہشت است پُر از پیکر ہائے دلربا گفتم کہ مرا نفس ضعیف و نزار شدہ است۔ پس بر درستی تن و سرخی رنگ من ہنگر من وارو بے حجت و برہان نمیخورم و از ورد نمے اندیشم و قول منکر نمیشنوم۔ گفت اندوہ مبر کہ من در ینجا طبیبم۔ پس علت خود پیش من مشرح کن۔ من از اول و آخر و علت و معلول و جنس و صنعت صورت و قادر و تقدیر و مقدر سوال کردم۔ چوں آں مرد دانا ایں سوالہا از من گوش کرد دست قبول بر سینۂ خویش نہاد (کہ رحمت خدا با و برآں دست و برآں سینہ) و گفت آرے دارو با حجت و برہان دہم۔ اما مُہرے محکم بر لبت بہ نہدم۔ بازہ بہ شربتے کہ مراد او دو گواہ از انفس و آفاق حاضر کرد۔ پس من آں دارو را قبول کردم۔ و او مُہرے سخت بر دہانم زد۔ و ہر روز بتدریج چارۂ کار من ہمیکرد۔ تا آنکہ مشتِ خاک مرا مانند یاقوت منور ساخت۔ اینک یاقوت منم و آفتاب من کسے است کہ از فروغِ وے ایں عالم ظلمانی روشن است۔ خوشا شہرے کہ پاسبانش چناں باشد و خوشا کشتی کہ لنگرش چنیں بود۔ اے آنکہ علم را صورت و فضل را جسم و حکمت را دل و مردمی را ثمرہ و نازش را افتخار بودہ۔ من کہ با جامۂ پشمیں و کالبد لاغر و گونۂ اصفر پیش و پیش تو ایستادہ ام۔ الحق کہ بعد از حجر الاسود و خاک پیمبر جز بر دست تو لب ننہادہ و من بعد تا وقتیکہ زندہ ام و ہر کجا کہ باشم جز بر شکر تو قلم و کاغذ و دوات نہ رانم"۔

از سیاقتِ بیان ایں قصیدہ چند نتیجہ استنباط میتواں کرد۔ یکے آنکہ فی الواقع ناصر خسرو آوازۂ حسن سیرت مستنصر باللہ را شنیدہ سفر مغرب اختیار کردہ بود۔ و نیز از طرزِ حکومتِ خراسان و طریق علمائے آنجا کراہیتے میداشت۔ و احترامِ خویش بہ قدر فضل و کمال و بزرگی و سیادت خود از اہلِ وطن توقع نداشت۔ دوم آنکہ مستنصر باللہ ہنگام ملاقات

براو القا کردہ آنچناں رازہائے سربستہ بود کہ ناصر خسرو کشفِ آں نمیتوانست کرد و نیز
ازیں قصیدہ مستفاد میشود کہ مقصودِ وے از زیارتِ مستنصر جز اکتسابِ سعادت و
تحقیقِ راہِ حق و کشفِ معضلاتِ مذہب و رفعِ وساوسِ قلب چیزے دیگر نبود۔ و چوں
در سفرنامہ دیدہ میشود کہ حکیم موصوف ہنگامِ معاودت از مصر بغایت تنگدست بود و در
عرضِ راہ چند جا بمعونتِ دیگراں محتاج شدہ بضرورت میباید تسلیم کرد کہ مطلبِ وے ازیں
سفرِ دور و دراز طلبِ جاہ و دولت نبود و قصائدِ بسیار کہ در مدحِ مستنصر باللہ انشا کردہ
آنچناں نیست کہ شعرائے متملق و چاپلوس در ستایشِ اہلِ دنیا وضع کنند بلکہ از تمامی
مدائحِ وے کہ تا نفسِ واپسین در حقِ مستنصر نوشتہ ثابت میشود کہ اورا با کمالِ صدق و
یقین و غایتِ خلوص ارادت امامِ مفترض الطاعۃ میداشت ۰

بالجملہ سرگذشتِ حکیم از آنوقت کہ سفرِ وے بپایاں رسید تا آں زماں کہ مردمِ خراسان
اورا بہ زندقہ و الحاد متہم کردہ بقصدِ وے برخاستند و از آنجا گریختہ بکوہستانِ بدخشاں افتاد
در پردۂ اختفا است۔ اگرچہ بعضے از قدما نسبت بحکیم چناں نوشتہ اند کہ میتواں گفت بعد از
سفرِ مغرب و جلائے وطن مرادِ او را دادہ باشد چوں رسیدن بہ بغداد و گیلان و رستمدار
و مدتے با علمائے آں دیار بحث کردن و ہنگامِ مراجعت بصحبتِ شیخ المشائخ ابوالحسن خرقانی
فائز شدن و بر دستِ شیخ بیعت نمودن و چند مدت در خدمتِ ایشاں روزگار گزرانیدن
و امثال ذلک اما ہیچ ازینہا در نظرِ تحقیق وثوق را نشاید۔ بہر حال منشائے خلافِ اہلِ خراسان
را بعضے چنیں نوشتہ اند کہ اورا کتابے است مسمّٰی بہ روشنائی نامہ کہ از آفرینشِ عالم و
حقیقتِ روح و اسرارِ تکوین در آں کتاب سخن راندہ است و حرفہا سرودہ کہ بر زندقہ و الحادِ قائل
دلالت دارد و ازیں سبب خلقے برخلافِ او کمر بستند۔ و چوں دیوانِ اورا ملاحظہ میکنیم

ہم چیزہائے بسیار ازیں قسم میابیم۔ یکجا از حشر جسمانی استبعاد میکند و جائے دیگر بر وضع
کائنات خُردہ میگیرد۔ و ہمچنیں ہرگونہ وساوس خطرات کہ بر خاطرش میگذرد باکمال بے باکی
و آزادی حوالۂ قلم میسازد۔ اما اینہمہ چیزہا نمے بایست سبب انکارِ مردم شود۔ چہ سُنّتِ مستمرۂ
شعرائے ایران زمین ہست کہ غالب اوقات برخلافِ قانونِ شرع نغمہ ہائے خارج آہنگ
میسرایند و باخدا و اہل خدا شوخیہا میکنند ولیکن چوں اکثر اقوال ایشاں نہ از عالم حال باشد اہلِ شرع
حمل بر ہزل کنند و بحکم یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ۔ ایشاں را معذور دارند۔ بعضے دیگر گفتہ اند
کہ او از علومِ غریبہ و تناسخ سخن میگفت و مقالاتِ او از فہم علمائے زماں بلند تر واقع شدہ لاجرم
در طبائع خاص و عام از وے وحشتے پدید آمد و قصدِ او کردند۔ پس از خراسان سفر کردہ بجانبِ بلخ رفت
و آنجا نیز متواری بود تا آخر بکوہستانِ بدخشاں افتاد۔ ایں سخن چنداں کہ غور کردہ شود ہیچ
استبعادے ندارد۔ چہ در طبقہ از طبقاتِ اسلام جمعے کہ خلافِ جمہور حرفے بر زبان آوردند
از دستِ فقہائے زماں چہ جفاہا کہ نکشیدند و چہ بلاہا کہ ندیدند۔ اما ورائے ایں ہمہ سبب
سببے دیگر بود کہ سائر اہل خراسان را از جا در آورد۔ خاوندشاہ در روضۃ الصفا و بہ تبعیت او
صاحب حبیب السیر و دبستان المذاہب نوشتہ اند کہ "امیر ناصر چوں از مصر مراجعت کردہ
باز بخراسان رسید مردم را بخلافتِ مستنصر و روشِ اسمٰعیلیہ دعوت میکرد۔ اعدا قصدِ وے
کردند۔ خوف و ہراس براو استیلا یافت و در جبلے از جبالِ بدخشاں پنہاں گشتہ بست سال
بہ آب و گیاہ قناعت نمود۔" ہرچند در سفرنامہ دلیلے روشن برین دعوی یافتہ نمیشود۔ اما چنانکہ
بالا ذکر کردہ شد ازینقدر انکار نمیتواں کرد کہ ناصر خسرو ارمغانے کہ از مصر برائے اہلِ وطن
آورد محبّتِ علویۂ مصر بود۔ و علی الخصوص از مناقبِ مستنصر باللہ سینہ و دل لبریز داشت
بسے از قصائدِ طوال در مدح وے انشا کردہ و ہم در سفرنامہ عدل و داد او را بیش از بیش ستایش

نمودہ۔ وچنانکہ از مضمون قصیدۂ مذکورۃ الصدر متبادر میشود میباید بہ دعوتِ روشن اسمعیلیہ و نشرِ مناقبِ ایشان اقدام کردہ باشد۔ و نیز دریک قصیدۂ فخریہ بدیں مطلب اشارے کردہ است جائیکہ میگوید ؎

ازیرا نظیرم کسے در نیابد — کہ بہرائے آں رہبر بے نظیرم
نہ بس فخرم آں کہ امامِ زماں را — سوئے عاقلانِ خراساں سفیرم

پس علمائے خراسان و ماوراء النہر کہ با خلفائے بغداد غایتِ عصبیت داشتند و علویۂ مصر را غاصب خلافت و ضال و مُضل مے شمردند لابد ایں صدائے غریب را گوش کردہ با حکیم درآویختہ باشند و اہالی ملک و ولاۃ عہد را بخلافِ وے برانگیختہ۔ حکیم نیز در بعضے اشعار خود دشمنی اہل خراسان را بر دوستیِ اہل بیت بنا نہادہ است، جائیکہ میگوید ؎

گرچہ مرا اصل خراسانی است — از پسِ پیری و مہی و سروری
دوستیِ عترت و خانِ رسول — کرد مرا یمگی و مازندری

رأس و رئیسِ مدعیان حکیم یکے مفتیِ خراسان بود حنفی المذہب و دیگر حاکمِ بلخ کہ در اکثرے از اشعارِ وے روئے شکایت با ایشان است و قصائد بسیار کہ دریں خصوص گفتہ است دلالت دارد برانیکہ تا آخر عمر از دوریِ وطن و جورِ اہالیِ وطن مینالید و شب و روز فریاد و زاری میکرد۔ در بعضے اشعارِ خود با ولایتِ خراسان خطاب کردہ میگوید کہ "اے خراسان اگر حال تو بے من مبارک و میمون است بارے احوالِ من بے تو دگرگون است۔ مرا فرومایگان کہ از نماز خویش ساہون باشند از خانماں براندند۔ ہمانا کہ ایزد تعالیٰ بشامتِ ایں فرومایگان خشم خود بر خراسان باریدہ است کہ اوباشے چند بے خان و ماں امروز در آنجا خان و خاتون شدہ اند۔ آرے دنیا بہشتِ کافران و زندان مومن است و ازینجاست کہ تو اے حاکمِ بلخ، در بلخ چوں بہشتی و من در یمگان محبوس و مسجون ماندہ ام

تو از جہل در مُلک ہمچو فرعونی و من از علم در زندان مانندۂ ذو النونم" و نیز میگوید "اگر اکنون فلک
رام من نیست ہیچ غم نباشد کہ مدتہا رام من بودہ است۔ اگر تن من از گلشن دور است گو باش
چرا کہ از دلِ پر حکمت در گلشنم۔ مرا بر گرسنگی صبر کردن خوشتر از آن است کہ طعام از دستِ فرومایگان
دریابم۔ اکنون بر آں سرم کہ ازیں چاہِ زشت و ژرف کہ مرا از دنیا باشد بالا روم و سوی بہشت
عدن یکے نردبانے بر نہم کہ یک پایہ از صلوٰۃ و پایہ دیگر از صیام داشتہ باشد۔ یکچند مرا در پیشگاہ
ملوک و مجلس سلاطین میدیدند۔ اما اکنون از گردش روزگار چیزے دیگر گشتہ ام کہ گوئی خود
آں آب و گل نہ ام کہ پیش ازیں داشتم۔ چوں فلک با من اینگونہ بازیہا کردہ است بنا بر آن
از جفائے او دل پُر از کین دارم۔ و بر آں سرم کہ از وے کین خود بکشم و امید وارم کہ مستنصر باللہ از خدا
برا ولیائے شیاطینم نصرت دہد۔ و آں زمانہ بیوفائی پیشین من باز پیش من بندہ شود۔ و فردا
بفرّ دولت مستنصر مجلس جز در کنار جوزا نیابم" و دیگر ازیں نوع گلہ ہائے دردمندانہ در دیوان
اشعارش بسیار است۔ چنیں بنماید کہ عقیدتِ مستنصر باللہ و ولوعے کہ در نشرِ فضائل و محامدِ وے
داشت بر حبِّ جاہ و دنیا طلبی او غالب آمدہ بود۔ چہ باآنکہ علمائے بر خلافِ او کمر بستہ قصد ہلاک
او کردند و از خان و مانش براندند و جاہ و اعتبارے کہ در دولت عہد داشت بکلّی از دست دادہ بود
باز تا دم آخریں ازیں ترانۂ دلکش خاموش نشدہ۔ اگرچہ آں ہمہ جد و جہد او در ایامِ حیات وے
کارے از پیش نبردہ و در بادی النظر ثمرہ بر آں مترتب نشدہ اما در نظرِ راقم آتشے را کہ بعد از
وفاتِ وے بسعی حسن صبّاح از ممالک خراسان سر بر زدہ و تا مدتِ صد سال از پا ننشستہ
اثرِ ہماں اخگرِ افسردہ باید پنداشت کہ ناصر خسرو در دلہائے مردم نہاں گذاشتہ بود۔

مع القصہ بعد از آنکہ اہالی وطن با او مخالفت ورزیدند از خراسان گریختہ بہ یمکان
کہ از اعمالِ بدخشان است و او خود را بدان نسبت یمگی گفتہ است شتافت و سالیانِ دراز تا نفس

در اسپین ہمہ را آنجا بود۔ بعد از وفات ہمہ را آنجا مدفون گشت۔ گویند مردم آن نواحی با حکیم اعتقاد زیاد دارند و مرقد او را تعظیم و احترام بسیار میکنند۔ بعضے او را سلطان مینویسند و بعضے شاہ و بعضے امیر و حکیم۔ در بارۂ مذہب و اعتقاد وے اقوال مختلفہ رقم کردہ اند۔ رضا قلیخان در مجمع الفصحاء او را بمذہب حق گفتہ است کہ پیش وے منحصر در طریقۂ اثنا عشریہ است۔ اما ایں سخن خیالے بیش نیست۔ در سفرنامہ ہر جا کہ شیعیان را ذکر کردہ است چناں مینماید کہ ازیں طائفہ اجنبیت تمام دارد۔ یکجا ذکر بعضے مواضع شام میگوید "قبر ابی ہریرہ آنجا است بیرون شہر در جانب قبلہ اما کسے آنجا بزیارت نتواند رفتن کہ مردم آنجا ہمہ شیعہ باشند و چون کسے آنجا بزیارت رود کودکان غوغا کنند و غلبہ بسر آنکس برند زحمت دہند و سنگ اندازند۔ ازیں سبب من نتوانستم زیارت آں کردن" و چارلس شیفر در ترجمۂ سفرنامۂ خویش حکایتے از حکیم متضمن انکارِ حشرِ جسمانی و جواب آں از محقق طوسی نقل کردہ است و از جوابے کہ محقق نوشتہ پیدا است کہ او حکیم ناصر را از مومنین صادقین نمیدانست و آں ابیات این است (ناصر خسرو)

مردکے را بدشت گرگ درید — زو بخوردند کرگس و زاغاں
ایں یکے رید بر سرِ کہسار — واں دگر رید در بنِ چاہاں
اینچنیں کس بحشر زندہ شود — تیز در ریشِ مردکِ ناداں

(محقق طوسی)

ایں چنیں کس بحشر زندہ شود — گرنماید عنصرش جز جز
زادلیں باز نیست مشکل تر — تیز در ریش ناصر خسرو

اما اینقدر البتہ قابلِ تسلیم است کہ پسرش خواجہ معین الدین چنانکہ نور اللہ شوستری در مجالس المومنین گفتہ مذہب تشیع داشت و با آنکہ در دیوان ملک شاہ سلجوقی ملازم بود۔ باز تقیہ

نمیکرد و علانیه بطریقۂ اثنا عشریه سلوک مینمود۔ ولاکن قاضی موصوف کہ ہیچ صوفی و حکیم را
در مجالس المؤمنین از خلعت تشیع محروم نگذاشته در حق ناصر خسرو ہیچ نگفته است۔

دولت شاه سمرقندی میگوید "کہ ناصر خسرو را بعضے عارف و موحد و بعضے دہری و طبیعی گفته
اند۔ و گویند به تناسخ" و نیز میگوید کہ "بصحبت شیخ ابوالحسن خرقانی رح رسیده مدّتها بریاضت و
تصفیۂ باطن مشغول بود" اما ہیچ ازیں سخنان تا به شہادت مقرون نباشد قابل وثوق نیست و
صاحب روضة الصفا و حبیب السیر او را از اسمٰعیلیه محسوب داشته اند۔ و صاحب بستان المذاہب
باوجود این نسبت او را مدح و ستایش نیز کرده و بغایت مقید امور شرعی وانموده است۔ و حق
آنست کہ تا ہنگام مراجعت از سفر مغرب بطریقۂ جمہور اہل سنت سلوک داشت و اکثرے از عبارات
سفرنامه بہمین معنی دلالت میکند۔ جناب عائشه صدیقه و عمر فاروق را به آدابیکه شعار سنیان است
نام برده است و سائر مناسک حج بر وفق مذہب اہل سنت بیان نموده و در بعضے از اشعار او دیده
ام کہ حضرت صدیق و فاروق و ذی النورین را بصدق و عدل و حیا ستوده است۔ اما شک نیست
کہ در زمان اقامت مصر کہ شش سال طول کشید و با مردم اسمٰعیلیه معاشرت و مصاحبت اتفاق
افتاده انقلابے عظیم در خواطر و افکارش راه یافته۔ و اگر ہیچ نگوئیم اینقدر خود میباید تسلیم کنیم کہ روش
اسمٰعیلیه را بدیده انست و خلافت فاطمیین را در برابر خلافت عباسیه به استحقاق نزدیکتر
مے پنداشت و علی مرتضی را بر خلفائے ثلثه تفضیل میداد و ائمۂ اہل بیت را سرچشمۂ علم باطن
و خازن اسرار شریعت میدانست و نیز متمذہب بمذہبے از ائمۂ مجتہدین نبود۔ و تقلید و
اہل تقلید را جابجا در اشعار خود نکوہش کرده و بعلاوه آں بعضے از معتقدات خاصۂ اسمٰعیلیان
نیز از کلامش مستفاد میشود مانند قول بعقل و نفس کلی کہ آنرا مصدر کائنات دانند و دریں عقیده
از سائر فرق اسلامیه منفرد اند کہ این اصل از اُمّہات عقائد ایشان ہست و ناصر خسرو در ینباب

چناں فرمودہ است ؎

ترا نفس کلی چو بشناسی اورا | نگہ دارد از جہل و عصیان و نسیاں
کل از نفس کل یافتست آں عنایت | کہ تو خوش منش گشتہ زان شادماں
زر و سیم و گوہر شد ارکان عالم | چو پیوستہ شد نفس کلی بار کاں

دیگر چیزہائے بسیار ازیں نوع در دیوانِ اشعارش میتواں یافت اما چنانکہ اہلِ خراسان گمان کردند ہرگز از منہج قویم اسلام تجاوز نہ کردہ و بر اصولِ اسلام از توحید و رسالت و معاد تا دم واپسین ثابت قدم بودہ۔ چنانکہ میفرماید ؎

بنالم بتو اے قدیم قدیر | ز اہلِ خراساں صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند | ہمہ خویش و بیگانہ بہ خیر خیر
مقرم بفرمانِ پیغمبرت | نہ انباز گفتم ترا نے نظیر
بہ امت رسانید پیغام تو | محمد رسولت بشیر و نذیر
نیاورد قرآں بہ پیغمبرت | مگر جبرئیل آں مبارک سفیر
مقرم بمرگ و بحشر و حساب | گناہت ز بر دارم اندر ضمیر

این است خلاصۂ آنچہ متعلق بہ مذہب عقیدۂ حکیم از کلامِ خودش مستفاد میشود۔ و در مثنوی مظہر العجائب کہ منسوب بہ شیخ عطار است قدس سرہٗ فضائل و مقامات وے آنچناں مذکور شدہ کہ میبایستی اورا در زمرۂ عرفا و واصلین منسلک ساختند۔ اما چوں در تذکرۃ الاولیا کہ از مصنفاتِ معتبرِ حضرت شیخ است اشعارے بذکرِ حکیم نرفتہ۔ گمان میرود کہ مثنوی مذکور از ملحقات باشد۔ چہ معتقدانِ ناصر خسرو ازیں قسم سخنان در حق وے بسیار تراشیدہ اند۔ زکریا ابن محمود قزوینی در جغرافیۂ خود کہ آثار البلاد و اخبار العباد نام دارد در بارۂ او چناں نوشتہ است کہ در عہدِ حکومتِ

حسام الدین ابوالمؤید ابن نعمان حاکم بلخ چون مردم ازو منحرف شدند بجانب یمگان شتافت و
در آنجا به نیروی دستگاهی که در علوم غریبه و تسخیر روحانیات داشت قلعه‌های منیع و ایوان‌های
رفیع برپا کرد۔" همچنین در ندامت نامه که بحکیم نسبت کرده اند۔ و حاجی لطف علیخان آذر جامع
تذکرهٔ آتشکده و بعضی دیگر تذکره نگاران در ترجمهٔ حکیم آنرا از اول تا آخر نقل نموده اند۔ ازین نوع
داستانهای بے سروبن بسیار است که هیچ با عقل و عادت و تاریخ و جغرافیه آشتی ندارد۔ و در جاهای
بسیار منافی قول حکیم است۔ مثل آنکه در مصر و بغداد و گیلان و بدخشان هر جا که رفته علی الفور بوزارت
اختصاص یافته و بر جمیع امور مالی و ملکی متصرف گشته۔ چه ازین قسم اتفاقات بعلاوه آنکه سفرنامه
تکذیب آن میکند۔ خلاف عادت روزگار نیز باشد۔ یا آنکه روحانیان را تسخیر کرده بهر کاریکه
میخواست مامور میداشت و آنها در طرفة العین آن کار بانجام میرسانیدند حتی اینکه یکجا
مریخ از آسمان فرود آمده برحسب خواهش حکیم سیصد نفر را بقتل در آورد۔ یا آنکه رسیدن حکیم
از مصر به بغداد در عهد القادر بالله که با تاریخ مباینت کلی دارد۔ چه وفات خلیفهٔ موصوف در سال
چهارصد و بست و دو و مراجعت ناصر از مصر در سال چهارصد و چهل و یک اتفاق افتاده۔ یا آنکه
در بعضی از مجالس عراق فاریابی را در بحث حشر و نشر الزام صریح داده بود۔ و حالانکه تاریخ ازین معنی
ابا میکند۔ زیرا که هیچکس از مشاهیر اسلام غیر از ظهیر الدین شاعر که مادح قزل ارسلان است بلقب
فاریابی شهرت نداشته و او اصلاً معاصر ناصر خسرو نبوده۔ چه وفات او بعد از وفات ناصر خسرو
بیک صد و هفده سال واقع شده است۔ و اگر گویند که مراد از فاریابی حکیم ابونصر فارابی است۔ پس
غلطی آن ظاهرتر است زیرا که ابونصر در اوائل مائه رابعه از دنیا رحلت کرده و ناصر خسرو در اواخر
قرن مذکور خلعت هستی پوشیده۔ پس معاصرت چگونه صورت بندد۔ و با قطع نظر ازان اصل ابونصر از
فاراب است نه از فاریاب۔ یا آنکه روحانی را چون برای هلاک پادشاه ملاحده در گیلان برگماشت

وحال او متغیر گشته مُشرف بر ہلاک شد خواست تا بحیلۂ از گیلان بیرون رود و پس از پسر ملک
رخصت طلبید تا گیا ہیکہ آں مرض را علاج بود و در صحرائے دمشق یافت میشد در دمشق رفته برائے
ملک بیارد و حال آنکہ مسافت درمیانہ گیلان و دمشق کمتر از ہزار و پانصد میل انگلیسی نخواہد بود۔
بعلاوہ ایں ہمہ تُرّہات و اباطیل وجود ملاحدہ در ایران چنانکہ در رسالۂ مذکور تصریح رفته است ہرگز
در عہد ناصر خسرو نبودہ۔ چہ حکومت اسمٰعیلیۂ مشرق کہ بعد ہا بملاحدہ و باطنیہ موسوم گشتند در
ممالک ایران در سال چارصد و ہشتاد و چار بوجود آمدہ است و آنوقت بر وفاتِ ناصر خسرو سہ سال
گذشتہ بود۔ و اما تسمیۂ ایشان باسم ملاحدہ پس در اواخر قرنِ سادس واقع شدہ۔ ہمچنیں چیزہائے
بسیار دریں رسالہ آنچناں ہست کہ در نظرِ تحقیق ہیچ سے نے ارزد۔ صاحبِ بستان المذاہب در حق
ایں رسالہ میگوید کہ بعضے از جہّال ندامت نامہ از و بسبب معاشرت با اسمٰعیلیہ الموتیہ[1] ساختہ اند
و حال آنکہ او تابع اسمٰعیلیۂ مغرب ہست با الموتیہ موافقت و مصاحبت نداشت ایں ہست آنچہ در
باب ناصر از اسمٰعیلیہ شنودہ و در کتبِ تواریخ دیدہ شد۔

غالب آنست کہ بعد از وفاتِ حکیم بعضے معتقدانِ او چوں دیدند کہ فقہائے زمان او را
بزندقہ و الحاد متہم دانند و بہ نیکی از و یاد نکنند۔ آنوقت ایں افسانہائے بے سرو بن وضع کردہ
باشند۔ چہ اکثرے از مقامات کہ در ندامت نامۂ مذکور تمہید یافتہ برائے ساحتِ حکیم از الزاماتِ
علماء و فقہائے آں زمان میکند و چوں عادتِ پیشینیاں آں بود کہ ہر کرا برگزیدۂ درگاہِ الٰہی
دانستہ میبودند ہمیں بر ذکرِ صلاح و تقوٰے و صدق و عدالتش قانع نمیشدند۔ بل بہ اموریکہ
فوق العقل و العادہ باشد نیز متصف میساختند۔ لاجرم قصہ ہائے شگرف و افسانہائے غریب در آں
میانہ مروج نمودند۔ اما با اینہمہ خرابی ہا کہ مذکور شد بعضے از وقائعِ صحیحہ متعلق بہ سیرتِ حکیم ازیں رسالہ

---

[1] الموت نام قلعہ ایست در خراسان کہ ابتدائے تسلط اسمٰعیلیۂ مشرق از آنجا شدہ و ازیں سبب اسمٰعیلیان ایران الموتیہ خواندہ اند ۱۲ حالی

استخراج میتواں کرد۔ از انجملہ یکے نوشتنِ تفسیر بر قرآن مجید است موافق اصول مذہب اسمعیلیہ اگرچہ از رسالۂ مذکور سبب ارتکاب ایں فعل چناں معلوم میشود کہ چوں در قلمرو ملاحدہ رسید و ایشاں براو دست یافتند۔ بادشاہ ملاحدہ او را بریں کار مجبور ساخت و در صورت امتناع بقتل تہدید کرد پس بخوفِ تلفِ نفس رخصتِ شرع بر نوشتنِ آں اقدام نمود۔ اما چنانکہ بالا ذکر کردیم آنوقت طائفہ ملاحدہ در مشرق زمین ہیچ وجودے نداشت۔ پس معلوم شد کہ تفسیر مذکور در حالتِ اختیار نہ از روئے اضطرار نوشتہ بود و مدتہا بنام ناصر خسرو اشتہار داشتہ ورنہ کسے را کہ در صدد ابراءِ نفسِ حکیم از طعن اسمعیلیت باشد چہ ضرور بود کہ تفسیر مذکور را با او نسبت میکرد۔

اکنوں باز بر سر سخن رویم۔ در تاریخ وفات حکیم نیز مانند سالِ ولادت او اختلاف کردہ اند دولت شاہ سمرقندی میگوید۔ در سال چار صد و سی و یک اتفاق افتادہ اما سفرنامۂ وے بر بطلان آں گواہی میدہد۔ چہ سفر مغرب خود در سال مزبور واقع نشدہ بود۔ تا بسفر آخرت چہ رسد و طامس ولیم بیل در مفتاح التواریخ سنہ ۴۴۱ھ چار صد و چہل و یک نوشتہ است۔ ایں قول نیز چوں قول سابق درست نیست چہ بریں تقدیر لازم مے آید کہ مدتِ حیاتِ او زائد بر چہل و ہفت سال نباشد و لاکن قصیدۂ کہ در شصت و دو سالگی گفتہ در دیوانِ اشعارش یافتہ ایم۔ و ایں دو بیت از انجا نقل میشود ؎

گر تنم از گلشن دور است من — از دلِ پر حکمت در گلشنم
شصت و دو سال است کہ کوبد ہمے — روز و شباں گردونِ رہادنم

صاحب حبیب السیر میگوید کہ ایامِ حیاتِ ناصر بعقیدۂ صاحب تاریخ گزیدہ از صد سال متجاوز بود و صاحب مجمع الفصحا گفتہ کہ یک صد و چہل سال عمر یافت و در سنہ ۵۳۴ھ بعالم باقی شتافت و با شیخ الرئیس ابو منصر ملاقات و مقالات نمودہ۔ اما اینہمہ اقوال از پیرایۂ صحت عاری و از زیورِ تحقیق

باطل است و صحیح ترین اقوال آنست کہ حاجی خلیفہ در تقویم التواریخ نوشتہ و آں سال چارصد و هشتاد و یک از ہجرت خاتم الانبیا است (علیه التحیۃ والثناء) و نیز ازیں کتاب معلوم میشود کہ وفات حکیم ناصر خسرو و رحلت جناب شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی دریک سال واقع شدہ و بریں تقدیر عمر حکیم ہشتاد و ہفت سال برسے آید۔

از مصنفات حکیم یکے روشنائی نامہ در نظم و دیگر کنز الحقائق در نثر شہرت دارد اما چنیں کہ ملاحظہ میکنیم او را غیر ازیں نیز تصنیفات بسیار است از انجملہ یکے کتاب الندامۃ فی زاد القیامۃ در لغت تازی است کہ چارلس شیفر در ترجمہ خود ذکر آں میکند و میگوید کہ "ناصر خسرو دریں کتاب اظہار ندامت و انفعال از زلات و خطایاے خود کردہ است و در بادی النظر چناں مینماید کہ بنیاد آں بر خیالات بحت افکار لاطائل است اما اگر بغور دیدہ شود بعضے افادات جلیلہ و اقعیہ نیز از آں استنباط میتواں کرد۔ و میر متقی کاشی آنرا از تازی بہ پارسی ترجمہ کردہ است۔" و صاحب سلم السموات از جملۂ کتابہاے او در نظم کتابے موسوم بہ سعادت نامہ نشان دادہ است۔ دیگر احوال ایں کتاب ہیچ نہ نوشتہ۔ و در ضمن رسالہ کہ سخن در تغلیط آں بالا گذشت۔ مصنفات عدیدہ با حکیم نسبت کردہ شدہ است چوں کتاب مستوفی در فقہ و زاد المسافرین در معقولات و قانون اعظم و دستور الاعظم و تفسیر قرآن مجید و امثال ذالک۔ اگرچہ مضمون ایں رسالہ اصلا قابل التفات نیست اما غالب آنست کہ مردم آنوقت ایں کتابہا را از افادات حکیم میدانستند ورنہ نسبت چیزے کہ وجود نباشد با ہیچکسے کہ علما منکر او باشند چگونہ صورت مے بست۔ و حکیم نیز بر بعضے ازیں کتابہا در شعر افتخار کردہ است چنانچہ میفرماید

ز تصنیفات من زاد المسافر	کہ معقولات را اصل است قانون
اگر بر خاک افلاطون بخوانند	ثنا خواند مرا خاک فلاطون

دیگر از افادات وے ایں سفرنامہ است کہ در دست داریم و الحق کہ بسیار مستحق مدح و ستایش است۔ سادگی الفاظ و راستی بیان کہ دریں سفرنامہ دیدہ میشود گواہ اینمعنی است کہ صنعتہائے بیہودہ و مبالغہ ہائے دور از کار کہ من بعد در منشآت ایران بکلی راہ یافتہ تا قرن خامس ہیچ وجودے نداشت۔ در تمامی سفرنامہ کمتر واقعہ بر خلاف عقل و عادت ذکر کردہ است۔ و اگر چیزے ازیں قبیل مسموع افتادہ بضرورت روایت کردہ عہدۂ آں بر راوی گذاشتہ است۔ در ذکر وادی جہنم کہ در فلسطین است میگوید "مردم عوام چنیں گویند ہر کس بسر آں وادی شود آواز دوزخیاں شنود کہ صدا از آنجا برمے آید۔ من آنجا شدم اما چیزے نشنیدم"۔ و در آخر سفرنامہ چناں تصریح کردہ است کہ "ایں سرگذشت آنچہ دیدہ بودم براستی شرح دادم و بعضے کہ بروایت شنیدم اگر در آنجا خلافے باشد خوانندگاں ازیں ضعیف ندانند۔ و مواخذات و نکوہش نکنند"۔ ہر چند در ہر واقعہ مورخانہ نظر کردن و باسباب و نتایج آں وا رسیدن و از جملہ مشاہدات حوادث منتجہ را التقاط نمودن و حوادث عقیمہ را از میان انداختن و از رسوم و عادات اہالی ہر ملک و خصائص ایشاں محققانہ سخن راندن کہ امروز در روزنامہ ہائے اروپا دیدہ میشود دریں کتاب کمتر است فاما در زمانے کہ ایں روزنامہ مرقوم شدہ علم و معرفت مرسوم و دائرۂ بغایت تنگ محدود بودہ و سرمایۂ آنکہ در ہر باب رائے میتواں زد از آنچہ مشاہدہ رود و باسباب و نتایج آں پے میتواں برد در دست نداشتند۔ پس ہر قدر کہ از قلم ناصر خسرو دریں زمانہ تراوش یافتہ مزیدے برآں متصور نبود۔ و مع ذلک تا امروز در زبان پارسی ایں نوع گذارش واقعات و تصویر مشاہدات ہرگز دیدہ نشدہ۔ بالجملہ ایں سفرنامہ نیز مانند سائر تصنیفات حکیم دریں ممالک ندرتے تمام داشت و دریں جزو زمان جزو

در کتاب خانۂ سرآمد مورخان روزگار جناب مستطاب نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر

دہلوی رئیس لوہارو ہیچ جا دیدہ نشدہ۔ اما در سال ہزار و ہشتصد و ہشتاد و یک مسیحی چارلس شیفر نام یکے از افاضل اروپا بتوسط بعضے از شناختگان دولتِ انگلیس آں نسخہ[1] را از آنجا طلب داشتہ و در لغتِ فرانسہ ترجمہ کردہ اصل و ترجمہ ہر دو را در محروسۂ پاریس دار الملکِ فرانسہ طبع ساختہ است چنیں مینماید کہ اکثرے از مورخان و تذکرہ نویسان کہ در مصنفاتِ خود بذکر حکیم پرداختہ اند ازیں سفرنامہ بے خبر بودہ اند حتیٰ اینکہ ہیچکس امداد در عہدِ طغرل بک و جغر بک نشان ندادہ و بسیارے از واقعات برخلافِ ایں سفرنامہ نوشتہ اند۔ و بعضے از ایشاں کہ سفرنامہ را از جملۂ تصنیفاتِ وے شمردہ اند۔ غالباً آنرا بچشم خود ملاحظہ نکردہ۔ و آنچہ حکیم در آخرِ سفرنامہ عزمِ سفرِ مشرق ظاہر نمودہ معلوم نیست کہ از قوت بفعل آمدہ یا نہ۔ اما از بعضے عبارات ایں سفرنامہ پیدا است کہ در لاہور و ملتان رسیدہ است +

از مطالعۂ ایں کتاب ثابت میشود کہ نویسندۂ آں بہ علم و فضل و تفحص نظر و درستی گفتار و متانتِ بیان و ذوقِ تحقیق موصوف بودہ۔ اگرچہ در اوائلِ حال ہم بتقاضائے سِن و ہم بحکم اسبابِ تنعم عفاف و تقوٰے کمتر داشت و بر شربِ خمر مواظبت میکرد۔ فا ما در آخرِ عہدِ شباب بتوبہ و انابت موفق شدہ ترک حشمت و جاہ گفت و بر دولتِ علم و ذخیرۂ دانش قناعت کردہ دامن از تعلقاتِ روزگار برچید۔ و برخلافِ مشائخ عہد ما کہ ہمہ در گوشۂ مسجد و زاویۂ خانقاہ سیرِ انفس و آفاق کنند و از کنجِ عزلت پا بیروں نکشند مردانہ بر سفرِ بلاد و امصار بہ مشاہدۂ عجائب قدرتِ آفریدگار کمرِ ہمت بربست +

دیگر حکیم موصوف را دو دیوانِ اشعار است یکے عربی و دیگر پارسی۔ دیوانِ عربی را صاحب

---

[1] ایں نسخہ در عہدِ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بہ کتابت در آمدہ و مدتے در کتابخانۂ خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش محفوظ ماندہ کہ یکجا حاشیہ بقلم خودش ثبت فرمودہ است و آں متعلق بہ تجدیدِ بنائے مسجدِ نبوی است کہ در سنہ [illegible] ہجری واقع شدہ ۱۲ حالی

تذکرہ مجمع الفصحا، از جملۂ تصنیفاتِ وے شمردہ است۔ دیوان پارسی کہ مشتمل است بر چندیں ہزار بیت در ایران چاپ شدہ بین الناس متداول است۔ و راقم ایں سطور مجموعۂ منتخبے ازاں ہنگام تحریرِ ایں اوراق از کتابخانہ سابق الوصف بدست آوردہ است۔ وے حجت تخلص میکند۔ احیاناً تا ناصر و ناصر خسرو نیز بحسب ضرورت در شعر مے آرد۔ غالبِ اشعارش قصائد و مقطعات است و سخنش با سخن عامۂ شعرا ہیچ نمیماند۔ در یک بیت ندیدہ ام کہ از عشق و جوانی حرفے گفتہ یا بہیچ اہلِ دنیا لبے آلودہ باشد۔ مجموع دیوانش مشتمل بر مناقبِ ذریۂ رسول و لاسیما در حکایۂ مختصراً و مواعظ و حکم و اسرارِ تکوین و شکایت ابنائے زمان و ذم علمائے ظاہر است و غالبِ اشعار در بحورِ غریبۂ قلیلۃ الاستعمال گفتہ۔ اگرچہ عامۂ گفتارش تمام تکلف دارد۔ اما بلاغتِ شاعرانہ را با جزالتِ حکیمانہ جمع کردہ۔ و قدرتے کہ بر اداے مطالبِ عالیہ در نظم داشتہ در نثرِ دیگراں ہم نتواں یافت۔ قدرے یسیرے از کلامش در اینجا نقل میشود۔

در نکوہش ابنائے روزگار

گوئی مرا کہ جوہرِ دیوانِ آتش است ۔۔ دیوانہائے زمانہ از گِل مخمّرند

جز آدمی نزاد ز آدم دریں جہاں ۔۔ اینہا ز آدم اند چرا جملگی خرند

دعوے کنند آنکہ براہیم زادہ ایم ۔۔ چوں نیک بنگری ہمہ شاگردِ آذرند

خویشی کجا بریم کہ از بہرِ لقمۂ ۔۔ اینجا برادراں ہمہ خصمِ برادرند

نہ کافرے بقاعدہ نہ مومنے بشرط ۔۔ ہمصحبتانِ من نہ مسلماں نہ کافرند

ہاں تا ازیں گروہ نباشی کہ در جہاں ۔۔ چوں گاو مے خورند چو گرگاں ہمے درند

آں سُنّیاں کہ سیرتشاں بغضِ حیدر است ۔۔ حقا کہ دشمنانِ ابوبکر و عمرند

وآنانکه هست شان به ابابکر دشمنی — چون دوست اند چون همگی خصم حیدرند

گر عاقلی ز هر دو جماعت سخن مگوی — بگذارشان بهم که نه افلح[۱] نه قنبرند

در وصفِ قلم بطریق لغز

آن زرد تن لاغر گل خوار سیه کار — زرد است و نزار است چنین باشد گل خوار

همواره سیه سرش ببرند ازیراک — همصورت مار است و ببرند سر مار

تا سرش نبری نکند میل برفتن — چون سرش ببری برود زود نگونسار

چون آتش و دود است سیه کار و لیکن — این ز آب شود زنده و ز آتش بگرد زار

هر چندکه زرد است سخنهاش سیاه است — گرچه سخن خلق سپید است به گفتار

گنگ است چو شد مانده و گویا چو روان گشت — زیراکه جدا نیست ز گفتارش رفتار

مرغی است و لیکن عجبی بی پر ازیراک — خوردش همه قار آید و در قشقش منقار

مرغی که چو در دست جنبید بپسند — در جنبش او عقل ترا مردم هوشیار

تیری است که سوفارش در رفتن پیش است — هرچند که هر تیر سپس دارد سوفار

اقرار تو باشد سخنش گرچه روا نیست — در دین که کسی از کس دیگر کند اقرار

دشوار بود بانگ تو از خانه به دهلیز — آسان بود آوازهٔ تو از بلخ به بلغار

در دست خردمند همه حکمت گوید — جز ژاژ نخاید همه در دست سبکسار

راز دل من بارے یکسر همه با اوست — زیراکه امین است و سخندان و بی آزار

ای مرکبِ علم و سخن و حکمت لیکن — انگشت خردمند ترا مرکب رهوار

---

[۱] افلح نام غلام ابوبکر صدیق و قنبر نام غلام علی مرتضیٰ است ۱۲

۹۸۱۱

در پائے تو بسیار بہ از دیبہ رومی ہر چند کہ دیبائے ترا نیست خریدار

در انجامِ کارِ دنیا

ناصر خسرو برلبے میگذشت مست ولایعقل نہ چوں میخوارگاں
دید قبرستان و مبرز روبرو بانگ برزد گفت کاے نظارگاں
نعمتِ دنیا و نعمت خوارہ بیں اینش نعمت اینش نعمت خوارگاں

در موعظت

تمئیز و ہوش و فکرت پنداری چوں داد ترا خیرہ خیرہ یاری
تا کار بندی ایں ہمہ آلت را در غدر و مکر و حیلہ و طراری
دارا برفت مفلس ازیں عالم با او نرفت ملک و جہانداری
با روے چوں نگاری و دانش نہ گوئی مگر کہ صورت دیواری
مردم ز راہِ علم بود مردم نہ زیں تن مصور و دیداری
تا خامشی میانِ خردمنداں مروے تمام صورتی و کاری
لیکن گہِ سخن شود پیدا آید کز جان و دل ضعیفی و بیماری
گوئی کہ از نژادِ بزرگانم گفتاری آمدی تو نہ کرداری
بے فضل کمتری تو ز کنجشکے گرچہ ز پشتِ جعفر طیاری

خطاب بہ آسمان

کار و کردار تو اے گنبدِ زنگاری | نہ ہمے بینم جز مکر و ستمگاری
زنِ بد خو را مانی کہ مرا با تو | سازگاری نہ صواب ست نہ بیزاری
نیستی اہل و سزاوار ستایش را | نہ نکوہش ز را زیرا کہ نہ مختاری
زینہار اے پسر این گنبدِ گرداں را | جز یکے کارکن و بندہ نہ پنداری
ما خداوندِ ترا خانۂ گفتاریم | گر تو اورا فلکا خانۂ کرداری
مور و ماہی را بر خاک و بدریا در | نیست پنہاں شدن از روئے بشب تاری
گر ہمے نعمت دایم طلبی آورا | بندگی کن۔ بہ درستی و بہ بیماری
ایں یکے جادوی بیکار ز بیں گیرست | چند گردی ز پسِ او بہ سبکساری
سیرتِ زشت نہ اندر خورا حرارست | سیرتِ خبث کو گر تو ز احراری

بخوے خوب چو دیبا و چو عنبر شو
گر چہ در شہر نہ بزّاز و نہ عطاری



ترجمہ بعضے از مقالات حکمائے اروپا از انگلیسی در پارسی

۱۔ کسیکہ اصلا بہ گفتار نیاید مانند آنکس کہ ہرگز لب از گفتار نہ بندد۔ خطاب را نشاید۔

۲۔ خودپسنداں را کہ ہیچگاہ جز بہ ستایش خود حرف نمیزنند۔ لب از گفتار نتواں بست۔

۳۔ نکوئی دیگراں را ستودن خود را در نکوئی آنہا شریک نمودن است۔

۴۔ یک سخن طیبت کہ بار بار بر زبان آید اصحاب را ملول سازد۔

۵۔ کسیکہ پیش اصحاب غیر از سرگذشت خود سخن نمیگوید۔ اگرچہ نفس خویش را فربہ میسازد ولاکن اصحاب را جز ملالت نمے افزاید۔

۶۔ کسیکہ عقل ضعیف دارد راست گو نمیتواند شد۔

۷۔ پادشاہان بزرگان را بہ صفاتے کہ ندارند ستایش کردن ایشاں را بگناہ تحریص دادن است۔

۸۔ جوان کہ رہنمائے جوانے باشد مانند نابینائے است کہ نابینا را راہ نماید۔ محتمل کہ ہر دو از پا در آیند یا بہ چاہ در افتند۔

۹۔ شرط دوستی دوست را بر عیب او مطلع گردانیدن است نہ از عیب خود آگاہ نمودن۔

۱۰۔ کسانیکہ فریب ما خوردہ اند در چشم ما حقیر نمایند۔ چنانکہ ما فریب دیگراں خوردہ در چشم خود حقیر مے نمائیم۔

۱۱۔ کسے را کہ حال او موافق خواہش او باشد ہر آئینہ خورسند و خوشدل میتواں گفت اما خرسند نمیتواں گفت مگر آنکہ خواہشہائے خود را موافق حالت خود کردہ باشد۔

۱۲۔ کسیکہ از دولت قناعت وسیلتے ہیچ ندارد۔ از بستر رفیق و مساز محروم است۔

۱۳۔ کسیکہ بر خطاہائے دیگراں نمے بخشاید رخنہ در آں پل مے اندازد کہ خود او را از آں عبور میباید کرد

چه هیچکس از خطا معصوم نیست ۔

۱۴۔ هر کس فرزندان را در تنگی و عسرت برای آن میگذارد که بعد او پس از مردن او خوشحال و فارغ البال باشد۔ گوئی شاخی سرسبز را قطع می کند تا شاخ خشک را سرسبز کرده باشد ۔

۱۵۔ زنهار دوستِ چهارم آنکس نه شوی که پیش از تو سه کس را دوست گرفته هر سه را از دست داده باشد ۔

۱۶۔ عهد پیری بشایسته ترین وجهی بسر بردن جز خاصان را میسر نیست ۔

۱۷۔ بر اکثری از خطاهای دوستان که خرده نمی گیریم از برای آنست که آن خطاها در کار ما هیچ خلل نمی اندازد ۔

۱۸۔ حقیقتِ حالِ یک کس بتفصیل دانستن مشکل تر از آن است که احوالِ کافۂ ناس باجمال دانسته باشند ۔

۱۹۔ عیبی که نتوانی از خود دور کنی در چشم تو جز هنر ننماید ۔

۲۰۔ هر داعیه که نفس در خاطر مردم برمی انگیزد آخر در وقتی از اوقات فرو می نشیند۔ اما داعیۂ عجبِ خود پسندی دائما همچنان متحرک میباشد ۔

۲۱۔ کسانیکه استخفافِ مال و دولت میکنند بسیارند اما کسیکه ترک مال و دولت بگوید حکم عنقا دارد ۔

۲۲۔ در زندگانیِ دنیا بعضی از حوادث چنان واقع میشود که تا خود را به تکلف احمق ننمائیم نتوانیم از سوءِ عواقب آنها محفوظ باشیم ۔

۲۳۔ ستایشِ خلق را سزاوار بودن آسان تر است که از مذمتِ ایشان محفوظ ماندن۔ چه آن به یک فعل پسندیده حاصل میتوان کرد و این جز به اجتناب از تمامیِ افعالِ قبیحه و سائر

اقوال نام ضمیمہ صورت نمیتواند بست +

۲۴ - با ہر کہ دوستی ورزیدی ہموارہ بر دوستی او ثابت قدم باش ۔

۲۵ ہیچ فریب بدتر از آں نیست کہ کسے را امیدوار کردہ باز نا امید گردانی ۔

۲۶ ہیچ چیز در چشم مردم خوش تر از آں نمے نماید کہ کسے ممنون ایشان باشد۔ و ہیچ آواز در گوش ایشان شیریں تر از آں نمے آید کہ نغمۂ شکر احسان ایشان سرایند۔

۲۷ - معنی خوشامد آنست کہ کسے را بجا سخنے کہ نہ او موصوف گردانند پس دانا باید بہ سخن خوشامد گویاں از جا نرود۔ بل بصفاتیکہ بدروغ برو بستہ اند خود را بحقیقت متصف گرداند

۲۸ - علمے کہ تحصیل آں واجب است تقلید نیک کرداران ست و بس ۔

۲۹ - بر دیگراں خردہ گرفتن آسان ست اما بر خردہ گیری دیگراں صبر نمودن دشوار ۔

۳۰ - راز یکہ با دیگراں در میان مے نہی دیگراں را تکلیف اخفائے آں مدہ ۔

۳۱ کسیکہ نسبت کبر بہ دیگرے میکند بیقین داں کہ خود متکبر ست ۔

۳۲ - چندانکہ مے بینیم ہیچکس از کبر خالی نمے یابیم - گوئی ایں خصلت چوں اعضائے بدن در ہر کس از بہر آں آفریدہ اند تا بداں وسیلت از ننگ عیبہا کہ دارند متاذی نشوند ۔

ترجمہ تہذیب بعضے از مضامین نفیسہ محاسن الاخلاق مرتبہ جناب خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ مرحوم از اردو در پارسی حالیہ ایران

کبر و خود پسندی

طبع انسانی چنانکہ مائل بہ کبر و خود پسندی است بہ ہیچ یک از خصائل نیست - ایں صفت در ہر کس

برنگِ دیگر جلوه میکند و هر جا بشکلے جداگانه ظهور مینماید۔ تا بجائیکه گفته اند بدترین صفتهای مردم آنست که از این صفت براءت خود میکنند۔ و از عجائب خواص انسانی آنست که با آنکه هیچکس از شائبۂ این رذیلت خالی نیست هرگاه اثرے ازان در دیگران مشاهده میکنند بر ایشان نفرین مے کنند و زبان طعن را دراز میسازند و تعجب بر تعجب ظاهر مینمایند۔

بعضے از حکما گفته اند که "متکبران و خودپسندان را هیچکس دوست نمی باشد۔ زیرا که دوستی را مساواتِ طرفین شرط است و ایشان به مساوات کس راضی نمے شوند۔ همچنین هیچکس ایشان را ناصح نمیتواند شد۔ چه ناصح باید در مرتبه از مخاطب افضل و برتر باشد و ایشان را فضیلت و برتری کس بر خود منظور نیست۔" چنانکه قیمت اسپ در اصطبل نسبتۂ به نخاس بیش مینماید همچنان مرد متکبر خود را در نظر خویش بہ نسبت آنکه در چشم دیگران است بالاتر و گرانقدرتر مے سنجد۔ وے جز خوشامدگویان چاپلوسان کسے را دوست نمیدارد و با بزرگان عداوت و از خردان نفرت دارد و همسران را حقیر شمردن خاصۂ اوست۔

حکیمے گفته است که "عاقلان لباس را باندازۂ بدن سازند و متکبران بدن را درخور لباس" یعنی آنها چنانکه هستند همچنان خود را ظاهر مے کنند۔ و اینها از آنچه هستند بزرگتر وا مینمایند۔ مرد باید گاه گاه در اوقات فرصت بحال خود پرداخته مے اندیشیده باشد۔ که وجود این پیکر خاکی که مسمّٰی بہ انسان است با این فضائے بے پایاں که مشتمل بر عوالم بے شمار و سرتاسر ... زمین در عرصۂ آن هیچ در حساب است چه نسبت دارد؟ همانا بوزن گردے بوده که همراهی چرخهائے ارابه بے اختیار در گردش باشد۔ روز و شب و شام و پگاه بے قصد و اراده با هوائے جو بہ رقص کنان چرخ زنان میرود و مانند صدائے که از تار طنبور خیزد درپیچ پیکران پیوسته ناشناس است۔ پس چیزے را که حقیقت او انچنین باشد کے میرسد که تاج غرور

بر سر نہادہ بر ابنائے جنس خود کہ زود با ایشاں در خاک گور برابر خواہد شد برتری و تفوق جو
آیا نمیداند کہ او نیز چوں سائر بنی نوع خود بانواع عیب و خطا گرفتار و بغایت مسکنت موصوف است
و عارضہ از عوارض بشری چوں ملال و کلال و خوف و رجا و شادی و غم آنچناں نیست کہ بد
عارض نشود وقتیکہ بیمار میشود چوں دیگراں بیچارہ و علاجش احتیاج مے افتد و ہرگاہ کہ خواہد مرد
چوں بیچارگاں و مسکیناں زیر خاک پنہاں کردہ خواہد شد۔ چوں صورت بریں منوال است
چیزے لائق تر بہ شانِ او غیر از تواضع و فروتنی و عجز و انکسار نباشد پس آدم خاکی نہاد باید از
کمینگاہ نفس بر حذر باشد کہ بیچارہ را بصد گونہ رنگ فریفتہ از آنچہ ہست برتر و بزرگتر
در نظرش جلوہ گر میسازد۔ چنانکہ واعظے رہست گفتار را حکایت کنند کہ چوں از وعظ و تذکیر فارغ
شد از بالائے منبر فرود آمد و سامعین بر فصاحت گفتارش صدائے تحسین و آفریں از چار سو
بلند کردند گفت اے عزیزاں دیگر بمدح و ستایش شما حاجت نماندہ است۔ چہ پیش از آنکہ
از منبر فرود آیم شیطان ازیں ترانۂ دلکش ہر دو گوشِ مرا پر ساختہ از مدح و ستایش دیگراں بے نیاز
گردانیدہ است ۔

شجاعت

کسانے کہ بحکم حرص و حُبِّ جاہ خود را در مہالک و مخاطر افگنند بہ شجاعت و جوانمردی
موصوف نتواں کرد۔ مانندِ آنکہ در کوہستان سفر دور و دراز از بہر آں اختیار کنند کہ بر معدنیات
دست یابند۔ یا اہلِ غیر متمدن را کہ تاب مقاومت با اسلحۂ جانسوز ایشاں ندارند حلقۂ اطاعت
در گوش و طوقِ غلامی در گردن اندازند۔ ہر آئینہ ایشاں را بجائے آنکہ شجاع و بہادر نام نہند
رہزن و قزاق خواندن اولیٰ تر است۔ چہ شجاع بحقیقت آنکس تواند بود کہ محض نفعِ خلائق
انواعِ محن و مشاق بر نفس خود گوارا کند و جان عزیز را در مواقع خوف و خطر اندازد۔ ہمیں نوع

جوانمرداں بودہ اند۔ کہ مجسمہ ہائے ایشاں در صنم خانہ ہا نہادہ اند۔ و عبادتخانہ ہا بنامِ ایشاں
طرح افگندہ اند۔ و تماثیلِ آنہا را قابلِ پرستش اعتقاد نمودہ ؛

مناصب جلیلہ

آنانکہ بمناصبِ جلیلہ سلطانی فائز میشوند۔ بتحقیقت سہ چیز را بر خود خداوند میسازند
یکے[1] سلطان را کہ آزادی نفسِ خویش بدستِ او فروختہ اند و عنانِ اختیارِ خود در قبضہ
اقتدارِ او سپردہ۔ دوم[2] شہرت و ناموری خویش را کہ ہرچہ منافیِ آں باشد زنہار گردِ آں
نگردند۔ و جز بکارے اقدام نکنند کہ مقتضائے شہرت و نام و ننگ تواند بود۔ سیوم[3] فرائض
منصبِ خویش را کہ یک لحظہ از فکرِ آنہا نتوانند آزاد شوند۔ ہمانا طالبِ منصب آزادیِ
خود فروختہ بعوضِ آں حکومت بر دیگراں میخرد۔ و اختیاراتِ خویش از دست دادہ بر دیگراں
اختیار حاصل میکند۔ تا بہ منصبِ مطلوب نمیرسد۔ انواع رنج و تعب نصیب او میباشد
و چوں بداں فائز مے گردد۔ آں ہمہ رنج و تعب یک بدہ میشود۔ و اگر کار بمعزولی کشید پس
حیاتش تلخ تر از ممات گشت ؛

مدح وستایش

مدح و ستایشِ عامۂ ناس کہ از صورت بمعنی راہ نبردہ اند۔ میباید از صدق و
راستی بمراحل دور تر باشد۔ چہ بکنۂ حقیقتِ کمالات پے بردن و مدایحِ کمالات را از ہم تمیز
دادن از حدِ فہمِ ایشاں بالاتر است۔ پس غالب مدحِ ایشاں بر کمالاتِ درجۂ ادنے از قبیل
جود و برّ و احسان و مہمان نوازی و لطف و مدارات و امثالِ آنہا مقصور میباشد۔ و ممکن کہ گاہ

گاہ بر کمالاتِ درجۂ اوسط از شجاعت و استقلال و وفاداری و عصبیت مطلع شدہ دادِ مدح و ثنا دادہ باشند۔ فامّا کمالاتِ درجۂ اعلیٰ از خلوص و بے غرضی و رقّتِ نوعیّت و در مصالحِ عامّہ کوشیدن۔ و باصلاحِ مفاسدِ عامّہ پرداختن۔ و در فصلِ خصوماتِ حیف و میل بکار نبردن۔ و از حمایتِ مدعیانِ باطل اگرچہ دوست باشند ابا نمودن۔ و در پاسداریِ حق از مذمّتِ عوام نیندیشیدن و امثالِ ذٰلک۔ پس اندازۂ آنہا از سرحدِ فہم و ادراکِ ایشاں بیروں است۔ لاجرم اگر بالفرض کسے در خواہش ہائے ناروا از نصرتِ دوستان پہلو تہی کند آنرا بے وفا و بے مروّت نام نہند۔ و ہر کہ در محکمۂ قضا بخلافِ آشنائے شہادت بحق دادہ باشد۔ او را از اراذلِ ناس شمارند۔ ہمچنیں سائر راستبازانِ آزاد منش را بدنام یاد کنند و ایشاں را از تہ دل بے دین و سنگدل و مکّار و خائن انگارند۔

ہم دریں معنی نیز چنیں گفتہ اند کہ حسن و قبحِ افعالِ مردم موقوف بر نیّتِ ایشاں است۔ ہماں یک کار است کہ اگر از نیّتِ نیک صادر شدہ است آں را کارِ نیک میتواں گفت و اگر بہ نیّتِ بد صدور یافتہ آں را کارِ بد میتواں شمرد۔ مانند آنکہ یکے از ارتکابِ ظلمے کہ جز بہ جرأت و ہمّت و زحمت و مشقّت اقدام بر آں نتواں کرد۔ تحاشی میکند و پہلو تہی میورزد۔ پس چنانکہ میتواں گفت۔ از جبن و نامردی پیرامونِ آں نمیگردد۔ ہمچنیں میتواں گفت کہ بمقتضائے عدالتِ جبلّی مرتکبِ جرم نمیشود۔ پس کسانیکہ فضائل و کمالاتِ درجۂ اعلیٰ را نمی توانند اندازہ کرد انہمہ امثالِ ایں امور را ہموارہ بر محملِ بد فرود آرند۔ و نیکوکاراں را مستحقِ ذم و نفریں شمارند۔ بلے فضائل و کمالاتِ انسانی بمثابۂ دریا است کہ بر روئے آں غیر از اشیائے کم وزن و خفیف چوں خس و خاشاک و برگِ کاہ ہیچ نمودار نیست۔ و ہر چہ از اشیائے ثقیل و گرانمند یا خود وارد جز در قعرِ آں نتواں یافت۔

مشق و مہارت

در طبیعت ہر کس از افراد انسانی استعدادے خاص ودیعت نہادہ اند کہ بہ مشق و مہارت ترقی مے پذیرد۔ و انسان را در آنچہ مشق و مہارت ورزیدہ است بمرتبۂ کمال مے رساند کہ کارہائے دشوار را بہ سہلترین وجہے سرانجام تواند کرد۔ رسن بازان و رقاصان و مغنیان کہ در فنون خود کارہائے عجیب و عملہائے غریب بروئے کار آوردہ تماشائیان را در تعجب مے اندازند نتیجہ ہمیں مشق و مہارت است۔ کہ ایشان بحکم استعدادات خاصۂ خود بکار بردہ اند۔ ورنہ ہیچ خاصیتے در ذات ایشان آنچنان نیست کہ تماشائیان و حیرت زدگان کم و بیش در فطرت خود ہا نداشتہ باشند۔

پیدا است کہ در ہر قوم و ملت بعضے از مردم در بذلہ سنجی و خوش نفسی و بعضے در قصہ گوئی و داستان طرازی۔ و ہمچنیں بعضے در شاعری و بعضے در مصوری و بعضے در فنونِ دیگر شہرۂ روزگار و مشار الیہ بالبنان در دیار و امصار مے باشند۔ و عامۂ ناس را گمان آنکہ ایشان از جودتِ ذہن و روشنیِ طبع درین کمالات یدِ طولیٰ بہم مے رسانند۔ اما کسانیکہ بہ قوانینِ طبیعی پے بردہ و مجاری احوال را نیکو سنجیدہ اند۔ مے دانند کہ منشائے کمالات ایں نام آوران جز مشق و مہارت چیزے دیگر نبودہ است۔ آرے ایں قدر ہست کہ استعداد ایں کمالات کہ در طبائع ایشان ودیعت کردہ بودند۔ ایشان بہ مشق و مہارت آں کمالات را از قوۃ بفعل آوردند۔ اگر اصل استعداد در جز فطرت آنہا راسخ نمے بود ایشان بہ وفق استعداداتِ خود توفیق مشق و مہارت در کمالاتِ مزبورہ نمے یافتند۔ زنہار بہ محض جودتِ ذہن و فطانت کارے از پیش نمے بردند۔

در فطرت اکثرے از تجارت پیشگان استعداد شاعری بمرتبۂ کمال ملاحظہ میشمائیم و در بسیارے از شعرا قابلیت فنِ تجارت بدرجۂ غایت مشاہدہ مے کنیم۔ اما نہ آنہا بسبب شغلِ تجارت ز شاعری کرشمہ بر روئے کار آوردہ اند و نہ اینہا بسبب انہماک در شعر و سخن از ملکۂ تجارت حظّے بودہ اند۔ پس امتیاز صریحی کہ در میانۂ حکما و ارباب زراعت یا شعرا و اہلِ تجارت یافتہ میشود منشائے حقیقی آں ہمیں مشق و مہارت است و بس کہ افراد یک نوع را از ہم تمیز دادہ بہ خواص مختلفہ و اوصاف متباینہ مخصوص گردانیدہ است۔ ازینجاست کہ ہر عادتے کہ بہ مشق و مہارت رسوخ بیابد۔ ترکِ آں چوں تبدیل فطرت مستحیل میگردد۔ پس مرد باید کہ از تکرار فعلِ بد بکلی پرہیز کند۔ مبادا آں فعل رفتہ رفتہ منجر بہ عادت گردد و ازالۂ آں از حیطۂ قدرتِ بشری خارج باشد۔

مصیبت و ناکامی

در کارخانۂ عالم از اقبال و ادبار و ذلت و عزت و ناکامی و کامیابی طرفہ تماشا بنظر مے آید۔ یکے را نکبت و ادبار از چارسو آنچناں فرا گرفتہ است کہ ہرچہ میکوشد راہ بجائے نے برد و بہر طرف کہ مے شتابد ناکام بر مے گردد۔ روز و شب مصائب و آفات چوں ابر بر سرا و میبارد۔ و شبِ دیجور او بارش ہیچ نوع پایاں نے پذیرد۔ بخلاف آں دیگرے را بخت و اتفاق چناں مساعد افتادہ است کہ اگر خاک سیاہ را مس میکند طلائے خالص میشود و اگر در شورہ زار تخم مے افشاند۔ زود برگ و بار مے آرد۔ دولتِ بیدار با او عہدِ یکجہتی بستہ است و طالعِ فرخندہ نردِ وفا باختہ۔

اما از انجا کہ ظہور اینہمہ آثار مختلفہ و احوال متناقضہ راجع بمشیتِ آں حکیمِ علام است کہ فعلے از افعال

یا حکمے از احکام او خالی از حکمت نیست۔ پس مرد باید کہ در ہجوم مصائب آلام دامنِ استقلال
از دست نہ دادہ بیقین دانستہ باشد کہ در پردۂ اینہمہ مکروہاتِ ناملائم البتہ حکمتے نہاں و
مصلحتے عظیم مخفی خواہد بود۔ ازینجاست کہ گفتہ اند: "ہر کہ بمصیبتے از مصائب گرفتار نشدہ ہمانا
یک روئے دنیا دیدہ از تماشائے روئے دیگر محروم است"۔ ہر آئینہ مسرتِ حقیقی حاصل نمیشود
مگر آنکہ لذتِ غم چشیدہ باشند۔ حکیم سنیکا مر شاگردانِ خود را ہموارہ پندے داد کہ "لذتِ
مصیبت بچشید۔ تا لذتِ عافیت دریابید"۔ چنانچہ گفتہ اند: "قدرِ عافیت کسے داند کہ
بمصیبتے گرفتار آید"۔ ہیچ راحت در حقِ انسان خوشتر ازاں نیست کہ بعد جراحت میسر آید
و محنتے کہ براحت انجامد بحقیقت عینِ راحت است۔ کسیکہ در مقابلۂ بلا ثبات نہ ورزیدہ
و بہ صبر و استقلال بر مشکلات غالب نیامدہ و در بوتۂ ابتلا گداختہ نشدہ۔ بر مثالِ طلائے
ہست کہ بر محکِ امتحانش نہ سودہ باشند۔ و ازیں سبب قیمتِ آں مشخص نشدہ باشد۔

مصیبت بحقیقت مدرسہ ایست کہ جملہ قوائے روحانیہ درو تربیت مییابد و انسان
بوسیلۂ آں زشتیِ گناہ و بے ثباتیِ دنیا را بہ رائے العین مشاہدہ میکند۔ اگرچہ بعضے از نکوییہائے
نمایاں چوں بذل و جود و عدل و احسان در ایامِ عیش و کامرانی ہم میتواں کرد۔ اما نکوییہائے
پایندہ و استوار از توکل و قناعت و صبر و استقلال و ہوشمندی و دوربینی جز در حالتِ یاس و
حرماں صورت نمیتواند بست کہ مرد را از خوابِ غفلت بیدار میکند و خیالاتِ دلفریب از
خاطر او بکلی محو ساختہ روئے توجہ بہ قبلۂ مقصودِ عالم و عالمیان منعطف میگرداند و دنیائے
دنی را در نظرش چوں بازیچۂ اطفال خوار و بے قدر میسازد۔ آرے چنانکہ رائحۂ مشک و عود
بہ سوختن و سائیدن نمایاں مے شود ہمچناں نکوئیِ مردم در ہجوم مصائب آشکارا
مے گردد۔

تعلیم

استاد باید هرگاه بتعلیم مبتدیان پردازد۔ از پایۂ خویش که در علم و فضل داشته باشد تنزل نماید۔ چنانکه پهلوانے زبردست چون قواعدِ کشتی به شاگردانِ خورد سال بیاموزد سرپنجگی و زورآوری را یکسو نهاده از پایۂ خود آنچنان فروتر آید که شاگردان بدانند یکے از همسرانِ ایشان به ایشان بازی میکند۔ بسا معلمان که هنگامِ درس این اصل را مطمحِ نظر نمیدارند و از منزلتِ علم خود تنزل نانموده سخنان بالاتر از فهم متعلمان افاده میفرمایند۔ در غالبِ احوال سعیِ ایشان رائیگان میرود و نفعے از درسِ ایشان بمتعلمان نمیرسد۔ چنانکه غذاے ناملائمِ طبع پیشتر از آنکه جزو بدن تواند شد غثیان آورده از معده بر مے آید۔ همچنان درسِ استاد که بفهمِ شاگردان مناسبت ندارد بذهن و حافظۂ ایشان در نمی سازد۔

علم اخلاق

علم اخلاق از سائر علوم بدین شرف امتیاز دارد که قابلیتِ آن در سرشتِ اطفال پیش از قابلیتِ درسِ کتاب حاصل مے شود و تعلیم آن در هر زمان و هر مکان میتوان کرد۔ خانه و باغ و مکتب و مجلس و خلوت و جلوت و کنارِ مادر و آغوشِ پدر برائے آن یکسان است۔ این علم هرکس را از کودک و جوان و پیر هدایت میکند که حقوقِ الٰهی بر ذمتِ همت او کدام ست و حقوقِ بنی نوع و حقوقِ نفسِ خویش کدام؟ مال و دولت را چه طور بذل توان کرد؟ و چه قدر ازان در رفاهِ خلق و چه قدر در خدمتِ ذوی القربیٰ صرف توان نمود؟ حقیقتِ انسان چه چیز ست؟ و او را از برائے کدام مقصد آفریده اند؟ غایتِ علم چیست؟ و کدام چیزها ست که دانستن آنها ضرو

واجب است؟ مراد از شجاعت چیست؟ و اعتدال و عدالت چه معنی دارد؟ علویت از
حرص و آز۔ و غلامی را از اطاعت و آزادی را از اطلاقِ عنان چگونه فرق توان کرد؟ قناعتی
که محمود است علاماتِ آں چیست؟ از آلامِ جسمانی و هموم روحانی تا کجا باید گریخت و از ذلت
و مرگ تا به چه حد تحاشی باید نمود؟ از سختی بلاها چگونه پیچیدن است و به چه نوع تحمل آنها میتوان
کرد؟ چگونه خود را سے باید شناخت؟ و چه طور خوش میتوان زیست و خوش میتوان شد؟

علامت تهذیبِ اخلاق در آدمی آنست که شگفته رو و پسندیده خو باشد و از کدورت
خاطر بکلی پاک بود۔ چنانکه در حوالیِ ماهِ تاباں بر روئے فلک اثرے از گرد و غبار نباشد هم
وقت آثارِ بشاشت از چهرهٔ او هویدا باشد۔ نفس اماره را در عینِ سرکشی و طغیان نگذارد
از جا رود و زمانهٔ خوف و رجا و ایامِ قحط و وبا به کمالِ استقلال و شادمانی بسر آرد۔

تهذیبِ اخلاق برخلاف رائے کسانے که آنرا به خارزار و دشوار گذار تمثیل میدهند
بر مثالِ راہے است که طرفین آں راه از گلهائے رنگارنگ و اثمار گوناگون و اشجار سبز
و شاداب و نهرہائے رواں نمونهٔ بهشتِ برین است و هر که ازیں راه میگذرد با دلے شادمان
و خاطرے مطمئن بمنزلِ مقصود میرسد۔ راہے است به نکوئی منهمل که هر یک از کودک
و جوان و پیر و فاسق و معصوم پیش آسان توانند پیمود۔ رنج و محنت ازیں راه بمراحل دور است
و راحت و آرامش در هر قدم مهیا۔

علم اخلاق بمثابهٔ مادرِ مهربان است که اولادِ خود را از چرک و آلودگیها پاک میدارد و
پرورش آنها نموده تنومند و قوی بازو مے سازد۔ بر ایشاں سخت نمیگیرد و همواره در صدد
آں میباشد که در نشو شان حُسن و جمال و صحت و سویّتِ ایشاں بیفزاید و بهر صورت که
میتواند دلنشین آنها میکند که چگونه از همه محاسن و خوبی ها را آنچناں منضبط و منظم توانند ساخت

کہ زندگی بر ایشاں وبال نہ گردد۔

پیداست کہ بعضے از اطفال بالطبع از تعلیمِ اخلاقی متنفر و گریزاں میباشند مجرد یک سخن ہزل را بر صد پند سودمند اختیار میکنند۔ و اگر آواز دف و چنگ بگوشِ ایشاں بخورد درس و کتاب را بر طاقِ نسیاں گذاشتہ و کتب را خیرباد گفتہ دیوانہ وار بسوے آں مے شتابند۔ پس لائق تر بحالِ ایشاں آنست کہ بجاے علم و حکمت صناعتے از صناعات بہ ایشاں بیاموزند۔ زیرا چہ تعلیم اطفال چنانکہ افلاطون گفتہ است باید موافق استعدادِ ایشاں باشد نہ بر حسب استعدادِ پدراں و نیاگانِ ایشاں۔

خودکشی

مرگ را چنانکہ ظاہر است اسباب بیشمار است۔ از آنجملہ یکے خود را بہ دستِ خود کشتن است آدمی را در کشاکشِ زندگانی اکثرے از نوازل و حوادث چناں پیش مے آید کہ از تحملِ آں عاجز آمدہ مرگ را بر زیست اختیار مے کند۔

حکما را در آنکہ خودکشی در حالتے از حالات جائز میشود یا نہ۔ اختلاف است۔ یکے را از حکما پرسیدند کہ آزادانہ زیستن چگونہ میسر آید؟ گفت از آنکہ مرگ را آسان شمرند۔ چہ کسیکہ از مرگ نمے ترسد از ہیچ رنج و مصیبت باک ندارد۔ گویند پسرے اسیر آمدہ بدستِ ظالمے فروختہ شد۔ آں جفاکار بذلیل ترین خدمتش مامور کرد۔ پسر گفت آیا گمان مے بری کہ ہر کہ ازیں ذلت آسان میتواند رست بہ اطاعتِ تو مجبور شود؟ ایں بگفت و خود را از کریوۂ بلندے بہ پائیں انداختہ از قیدِ حیات و قیدِ غلامی پاک برست۔ ازینجاست کہ گفتہ اند "مرد آنست کہ زندہ ماند چندانکہ خواہد نہ چندانکہ تواند"۔ و گفتہ اند "منت خداے را کہ کلیدِ مرگ بما

تفویض فرمودہ است تا بداں وسیلت ہرگاہ کہ خواہیم خود را از رنج و بلا وارہانیم۔ و منت ہر واہب منت را کہ برائے زندگی جز یک در نہ کشادہ است و برائے مرگ ابواب بے شمار مفتوح ساختہ۔" و نیز گفتہ اند "عرصۂ زمین بر زندگان تنگ میتواند شد۔ اما بر مردگان در ہر زمان و ہر مکان فراخ است۔"

بعضے از حکما گفتہ اند "کسانے کہ از دنیا و مصائب آں شکایت میکنند خطا میکنند۔ کیست کہ ایشان را بر تحمل ایں مصائب مجبور ساختہ است مگر آنکہ جبن و نامردی آنہا نمیگذارد از قید حیات رستہ مکروہات زندگی را خیر باد بگویند۔ مرگ ہمہ جا حاضر ست و ہمہ وقت اسباب آں مہیا ہست۔ ہر کس میتواند ما را از قید حیات آزاد کند۔ بخلاف مرگ کہ ہیچکس از پنجۂ آں نجات نمیتواند داد۔ اگر مرگ مقدر بشر نبودے زندگی از قید غلامی بدتر بودے۔ مرگ نہ ہمیں مرضے خاص را علاج است بلکہ ہمہ دردہا را دوا است۔ در فن طب مقرر شدہ است کہ مرض چند انکہ صعب باشد علاج آں نیز بایدسخت تر بود۔ پس ہر مصیبتے کہ سختی آں از حد درگذرد۔ علاج آں بہتر از اقدام قتل نفس خویش نمیتواند شد۔"

این ہست خلاصۂ بعضے از دلائل آنانکہ خودکشی را جائز بلکہ مستحسن شمردہ اند۔ اما کسانیکہ بخلاف آں رفتہ اند میگویند "احکم الحاکمین کہ ما را در حصار زندگانی محصور ساختہ است تا فرمان واجب الاذعان او در نرسد۔ نباید پا ازیں حصار بیروں کشیم۔ زیرا کہ ما را نہ ہمیں برائے نفس ما آفریدہ اند بلکہ برائے عبادت الٰہی و خدمت ملک خدمت قوم نیز مخلوق شدہ ایم۔ پیش از آنکہ اجل مسمٰے در رسد خود را بدست خود کشتن از ادائے فرائض خود گریختن و مستحق سزائے طاغیان و باغیان گشتن است۔ نکوئی را شجیع شجاعان عالم میتواں گفت کہ بہ ماندہائے انگیز دو تقریبہا میجوید تا بہ انواع حوادث و نوازل دوچار شود و از مقابلۂ آنہا رو برنتابد و تا بتواند بر آنہا غالب

آید۔ پس از مکروہاتِ روزگار گریختن و مرگ را بر تحملِ آنہا ترجیح دادن از نکوئی بمراحل دور افتادن
است و فاضل‌ترین اخلاق را کہ صبر و ثبات و ہمت و استقلال باشد معدوم ساختن۔

افلاطون در قوانینِ موضوعۂ خود مے نگارد کہ "کمینہ‌ترین مرگہا مرگِ آنکس ست کہ
احبِّ احباب و اصدقِ اصدقا را کہ خود نفسِ اوست بدستِ خود ہلاک کردہ باشد و از برکاتِ
بقیۂ زندگانی کہ برائے او مقدّر بود محروم ساختہ۔ و باعث بر آں غیر از قصورِ ہمت و جبن و
نامردی و ضعفِ عقل چیزے دیگر نباشد۔ آنانکہ زندگی را ہیچ مے پندارند بر عقلِ ایشاں خندہ
مے آید۔ آیا نمیدانند کہ بضاعت ایشاں کہ براو ناز میتواں کرد۔ درین دار فانی ہمیں زندگانی
ایشان ہست و بس۔ و بعد از اتلافِ آں ہیچ چیز بدست ایشاں باقی نمیماند۔ اگر کسے بر زندگانی
دیگراں بخندد و آں را حقیر و ناچیز شمارد عجب نیست۔ اما زندگانیِ خویش را حقیر شمردن و بر اتلاف
آں آمادہ شدن غایت ابلہی و نادانی ہست کہ در ہیچ حیوانے از وحش و طیر و بہائم و سباع نظیر آں
نتواں یافت"۔

زندگانِ مُردہ

یکے از حکما گفتہ ہست کہ "آدمی را زندہ نمیتواں گفت مگر آنکہ بخدمتِ بنی نوعِ خود اقدام
کند و کارہائے نمایاں و سودمند بروئے کار آوردہ نیک نامیِ جاوید حاصل کردہ باشد۔ ازینجاست
کہ ہر کس از شاگردانِ فیثاغورس از تحصیلِ علم اعراض نمودے و از راہ سستی و بطالت عہدِ صحبت
ہمچشماں گسستہ مدرسہ را پدرود گفتے۔ سائر مستفیداں و متعلمانِ فیثاغورس قبرے بنامِ او ساختندے
و بر لوحِ قبر او نوشتند کہ "فلانے بمرد" تا دیگراں عبرت گیرند و چنیں حیات بدتر از ممات اختیار
نکنند۔

پس ہمہ آنکساں بحقیقت از مُردگانند کہ روز و شب در بندِ اکل و شرب و صبح و مسا مشغولِ زیب و

زینت میباشند. نمیدانند که غایتِ زندگانیِ ایشان چه بوده است؟ چه معنی زندگی بحقیقت آنست که انسان در تهذیبِ نفسِ خویش و نفعِ دیگران و تزکیۂ نفوسِ بنی نوع هر قدر بتواند کوشش کند. بریں تقدیر پیداست که غالبِ روےِ زمین بصورت آباد و بمعنی گورستان است. غالب مردم بظاهر احیا و بحقیقت اموات اند. اگرچه اکثرے از ایشاں باہمدگر بصلح و امنیت بسر مے برند. و از اطاعتِ بادشاہ سر نمے پیچند و ابناےِ جنس را نمے آزارند. و اگرچه عمرہاے ایشاں از ہفتاد و ہشتاد گذشته به نود یا بصد سال میرسد. اما بحقیقت زمانِ حیاتِ ایشاں ہماں چند ساعت یا چند روز است که در سود و بہبودِ خلائق گذرانیده اند۔

دوستی

کسیکه بدوستی دوستاں ضرورت ندارد. ہمانا انسان نیست بلکه حیوان است یا فرشته چنانکه سخت ترین آلامِ جسمانی آنست که جاندار را دم خفه کنند. ہمچنیں سخت ترین آلامِ روحانی آنست که آدمی را کسی دوست نباشد. ہر کس پیشِ دوستاں احوالِ خود از شادی و غم بیان مے کند گویا شادی خود را دو چند میسازد. و از غمِ خود نیمے زائل میکند. آرے آنکه از دوستی دوستاں محروم است. بحقیقت یکه و تنہاست اگرچه خلقے بیشمار بگرد او جمع آمده باشد چنانکه گفته اند "اگر تمامی عالم از دست رود و بعوضِ آں یک دوستِ صادق میسر آید ارزاں است ولاکن بر کثرتِ دوستاں مغرور نباید بود که عامۂ دوستاں بر مثالِ برگِ درختاں اند"۔

خشم بدتر از دیوانگی است

کسانیکه خشم را به دیوانگی تعبیر میکنند ہمانا از حقیقتِ ہر دو بے خبر بوده اند. چه دیوانگی عبارت

از ناخوشی دماغ است که عقل را از دماغ زائل کند و کار بدانجا رسد که جملہ تکلیفات از و ساقط گردد و ہیچ جرمے کہ مرتکب آں شود سزاوار تعزیر نباشد و ہر خطائے کہ از و صدور یابد اور امعذور شمرند و معاف دارند۔ بخلاف خشم کہ از فرط حماقت و استکبار بر عقل و دانش مردم غالب آید و بکار ہا برانگیزد کہ اگر صادر شود۔ باشد کہ صاحب خشم را مضروب و مقتول گردانند و باشد کہ بہ سزا و تعزیر رسانند۔

محبت مادری

محبت مادراں با اولاد خود قوی تر و پائدار تر از سائر محبت ہاست کہ بہیچ حال کم نگردد و در نہاد دگرگوں نشود و ہرگز بملالت نہ انجامد۔ پدر میتواند از پسرے بگرداند و برادر با برادر دشمن شود۔ و زن و شو از یک دگر بگسلند۔ اما مادران با اولاد نیک و بد ہموارہ یکساں سلوک کنند۔ و از مہر و محبت ایشاں ہرگز سیر نشوند۔ رفیقے مہر اولاد را دیرینہ تر از مادر نیست کہ از روز استقرار نطفہ در رحم محافظ ایشاں میباشد۔ ہیچگاہ نمیخواہد ایشاں را از سینۂ خود جدا کند یا یک لحظہ فراموش سازد یا بر نافرمانی و تقصیرات ایشاں از تہ دل دعائے بد بر زبان آرد محبتش با اولاد از شائبۂ غرض بکلی پاک است۔ لاجرم در وقتے از اوقات و حالتے از حالات تغیرے دراں راہ نمیابد۔ اگر ہمہ خلق اولاد را گذارد و از تعلقات ایشاں دست بر نمیدارد بلکہ دنیا و مافیہا را منحصر در اولاد دے داند۔

استہزا

بہ مردم خندیدن و بہ استہزا و مسخرگی عادت گرفتن از دناءت نفس میخیزد۔ و جواناں را از

ترقی بمعارج کمال بازمے دارد۔ ہیچکس چنانکہ معلوم ہست از عیب خالی نمی باشد تا بحدیکہ نیکوکاران ستودہ خصال نیز نمیتوانند دامن حال از آلایش عیب بکلی پاک دارند۔ چوں صورت حال بریں منوال است غایت ابلہی و محض ناانصافی ہست بہ زلات و خطایاے مردم آویختن واز محاسن و محامد ایشاں چشم دوختن۔ بر نقائص خردہ گرفتن و از کمالات قطع نظر نمودن و ابنائے جنس را اضحوکہ اشرار و اوباش ساختن۔

چندانکہ غور کردہ میشود استہزا نوعے از موازنۂ تست میان نفس خویش و نفس آنکس کہ بروے استہزا میکنی۔ تا خویش را از و بہتر و برتر وانمائی و خود را از خود بفریبی۔ عجب است از استہزا کنندگان کہ باوجود صد ہنر در ذات دیگراں بریک عیب ایشاں میگیرند و باوصف صد عیب در ذات خویش یک ہنر در خود نشان نمیدہند۔ و عجب تر ازیں آنکہ نہ ہمیں بر عیب کساں میخندند بلکہ ہنرے نیست کہ بر خندہ در خوبی آں نمیخندانند۔ و منقبتے نیست کہ آں را اضحوکہ اہل مجلس نسازند۔

عبارت کتابہ برائے مرقد مرحومی سید امیر علی رئیس دہلی غفراللہ

نیاید کسے در جہاں کو بماند　　مگر آں کزو نام نیکو بماند

سید امیر علی ابن سید وارث علی (رحمہما اللہ) چہل و ہشت سال خوش و ناخوش زندگانی دیدہ و تلخی و حلاوت ایں دار الغرور چشیدہ شب جمعہ دویم شہر رمضان ۱۲۹۳ ہجری بادلے راغب الی اللہ و زاہد فی الدنیا داعی اجل را لبیک اجابت گفت۔ ہمہ عمر بقوت بازو کسب معاش کردہ در چشم خاص و عام موقر و محترم بود۔ و مردانہ و آزادانہ مے زیست۔ از بدو شعور مدارس دولتی با درس و تدریس کار داشت و تا بود ہم دریں کار بود و ہم بریں بگذشت۔ احدے از

حاکم و محکوم و تابع و متبوع را ابداً از و ملالتے نبوده و کسے از آشنا و بیگانه زبان به شکوه او نیالوده۔ الحق از نکوئی و حسن معاملت و تواضع و فروتنی و دیگر مناقب جلیله که در طبعش جبلّی بود۔ اندکے از بسیار نمیتواں شرح داد۔ و حسن خاتمت که غایت جمله نکوئیهاست چنانکه خود او را میسّر آمده از صلحاء و اتقیاء و ابرار و اخیار هر کرا دست دهد غنیمت کبرے میتواں شمرد۔

ایماں بلب و دل به ره و دیده بدوست　　با پیک اجل خنده زناں بیروں شد

کتبه لوح مرقد مرزا الٰهی بخش مرحوم که بر حسب اقتراح جناب مرزا سلیماں جاه صاحب نوشته شد

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

واپسین شمع بزم گورگانی و آخرین ثمرهٔ شجرهٔ صاحبقرانی صاحب عالم حضرت میرزا هدایت افزا بهادر المعروف به میرزا الٰهی بخش (طاب ثراه) در سال یکهزار و دویست و بست و یک هجری از نهانخانهٔ غیب بجلوه گاه شهود خرامیده هفتاد و اند سال بنظارهٔ اعجوبه‌های این عجوزهٔ سال خورده چشم وا داشتند و با دهرِ ناساز گار مردانه برروے کار آمده بس مراحل دشوار گذار را آسان طے نمودند هم در عهد امن و سلامت و هم در طوفان حوادث و فتن لنگر سفینهٔ نجات در دست ایشان بود در مدت حیات با هر یکے از طبقات انام آنچناں سلوک ورزیدند که اقارب و احباب را بصدق و مصافات و اجانب و اغیار را برفق و مدارات و ضعفا را به بذل و مساحت و اقویا را بحسن معاشرت در سلک یکجهتی کشیدند۔ شب پنجشنبه شانزدهم ربیع الاول سال یکهزار و دویست و نود و پنج ناخوشی سعال که رفیق دیرینهٔ ایشان بود آنچناں اشتداد گرفت که هیچ چاره و تدبیر سود ندادست

آں نتوانست کرد۔ و آثارِ یاس بردلہا استیلا شد ہمیں کہ کلمۂ توحید بزبان راندند و شاہدین را بر اسلامِ خود گواہ گرفتند۔ زود داعیِ اجل را لبیک اجابت گفتند۔ و ہر یکے را از دور و نزدیک و قریب و بعید سوگوار و ماتم دار و از ذکرِ جمیل و نام نیک بر خاطرِ ہر یک نقشے ستودہ گذاشتند؎

نثرِ قدیم[1]

تقریظ دیوان فارسی حضرت حسرتی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ در سال ہزار و ہشتصد و ہفتاد و دو مسیحی در زمانِ حیاتِ مصنف مغفور نوشتہ بود

رباعی

ہر چند ستایشِ سخن دین من است — میگویم و راست گفتن آئین من است
در مدحِ سخن ساختگی نیست مرا — تحسین سخن شناس تحسین من است

الا اے ہوشمند فرزانہ دریں روزگار کہ جنسِ بالا دستِ سخن از متاعِ حسنِ نوخطاں ناروا تر و دمِ گیرائے اہل سخن چوں نفسِ سرد و اعظاں بے اثر افتادہ است۔ زنہار گمان نبری کہ اندازہ قدرِ گفتار را نقصان فرا گرفتہ است۔ و سرمایۂ لفظ و معنی بزیان رفتہ چشمۂ حیواں اگر در ظلمات پنہاں گردد خاصیتِ جان بخشی از بیروں نرود۔ و ماہ کنعان اگر در بازارِ مصر بہیچ نیرزد جوہرے از نصاب کاملِ حسنش کم نشود۔ کما قیل ؎

---

[1] اگرچہ قدیم طرز کی نثر سے اب طبیعت متنفر ہو گئی ہے لیکن چونکہ ان میں بعض نثریں گراہی بیراہہ زندی کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ اسلیئے انہیں بالکل ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا ۱۲ حالی

از قیمتِ یوسف نشود یکسر مو کم   هر چند خریدار به بازار نباشد

اگر گوئی که سخن را که مکانتے بلند و قدرے ارجمند است. خود بوجودِ نکته وران سخن پیوند است ورنه لفظے است بے معنی، و اسمیست بے مسمّیٰ. و سخنور چنانکه معلوم است امروز از جهان معدوم است. پس اگر کبریت احمر را خاصیتِ اکسیر باشد گو باش. و اگر سایهٔ هما فرِّ اقبال با خود دارد گو بدار. ازاں که نه موجود است چه خیزد. و از آنکه مفقود است چه زاید. گویم آرے چنانکه فرمودی هنر از توابعِ وجودِ اهلِ هنر است. و عرض از لواحقِ ذاتِ جوهر. و چندانکه هنر مند کمیاب هنر کمیاب تر. اما این قصورِ نظر و نقصِ ادراک. و ناتمامیِ دانش و نارسائیِ دریافت که مرآدمی راست چگونه میتوان گفت که اهلِ کمال را جز در نشیمنِ عنقا آشیاں. و از سخن جز اسم و از سخنور جز رسم در جهان نیست ؎

خاکساران جهان را بحقارت منگر   تو چه دانی که درین گرد سوارے باشد

حسرت گروهم اگر برقِ حوادثِ روزگار مرغانِ نواسنج را آشیانها پاک بسوزد تا عندلیبے در چمن نغمه سراست باغ را دشت نتواں خواند. و اگر طلوعِ سپیدهٔ سحری رونقِ بازارِ ستارگان برهم شکند تا مهرِ درخشان عالم افروز است جهان را تاریک نتواں گفت. گرفتم هنر را گرمیِ بازار نه چندان است که کالائے گرانبهائے معنی از هر دکان میتواں خرید. و گنجِ شایگانِ سخن در هر خرابه میتواں یافت اما صاحب نظراں دانند که با انهمه نارسائیها در کیسهٔ روزگار رخشنده گوهرهاست. از چشم کوتاه نظراں مانندِ گنج در ویرانه پنهاں. و بر سپهرِ کمال فروزنده اخترهاست از دیدهٔ شپرّه چشماں چوں مهرِ جهانتاب سر در نقابِ کتمان. علی الخصوص دُرِّ یتیمِ معانی. مهرِ منیرِ فلکِ نکته دانی. قائمِ عرشِ تحقیق. بابِ مدینهٔ تدقیق. بحرِ لجّیِ علم و ایقان. کوکبِ دری افقِ عرفان. بهین ثمرهٔ نخلِ باغِ ارادت. گزین نتیجهٔ پیوندِ مادهٔ صورت. شناورِ دریائے حقیقت. رهبرِ صحرائے طریقت. چارسوئے مملکتِ معنی را نگهبان

خدیوِ شش جهت عالم حقیقت را فرمانروا۔ نگارستان رنگین بیانی را چهره پرداز۔
بهارستان شگفته طبعی را چمن پیرا۔ رمز شناس سرائر عقل و نقل۔ نکته سنج غوامض درایت و
روایت۔ مرحله پیماے طریق نظر و استدلال۔ قصب السبق رباے عرصۂ فکر و قیاس۔ شمسۂ پیشطاق
بلند نظری و الا فطرتی۔ نواب نجیب الالقاب محمد مصطفیٰ خاں بہادر متخلص بہ حسرتی ؎

بلفظٍ لا یعبّر عن معانٍ ۔۔۔ احاطتها مکارم ذی الهمام

اللّٰهمّ متّعنا ومتّع الکلّ بدوام بقائه ومدام لقائه۔ و صلۂ بخشش جهانیست که بلندی
همت آسمان اوست۔ و قدر فیضش آسمانیست که فروغ خود مهر درخشان اوست۔ ضمیر منیرش
نقد حقائق را گنج شایگان۔ چراغ فکرش انجمن قدس را شمع شبستان۔ حلۂ الفاظش سراپاے
معنی را پیرایۂ ناز۔ و حلیۂ عباراتش گوش و گردن مضمون را زیور آب باز۔ افسون لطف گفتارش
در تسخیر افتاده دلاں چوں قید و بند۔ و معجون نطق شکربارش در مذاق حنظل طبعاں چوں شهد و
قند۔ استعاراتش چوں اشارۂ چشم خوباں دلربا۔ و عباراتش چوں چشمۂ آب حیواں جاں فزا۔
اطنابش چوں طول شکوۂ دوستداراں سامعه نواز۔ و ایجازش دلاویز تر از نگاه چشم نیمباز۔
فکرش از دعاے سحری شب زنده داراں رساتر۔ و سخنش از نالۂ نیم شبی جگر خواراں گیراتر۔
فقرۂ شیرینش نگویم شیرۂ جان، اما پارۂ شیریں تر از آں۔ و مصرعۂ رنگینش نگویم برگ گل، اما دل
از کف ربایندہ تر بلبل۔ رائحۂ انفاسش از نکہت گل در دماغ بلبل بل از عطر پیرہن در مشام یعقوب
سازگارتر۔ و شهد مقالش از رشحۂ زلال در کام مستسقی بل از جرعۂ مے در مذاق مخمور خوشگوارتر۔
الحق گرمی طبع پر زور شرابیست که تمکین پسنداں اگرچہ کوه وقار باشند بیک جرعه از آن خود را
نگاه نتوانند داشت۔ ورنه خواجه را که عندلیب شاخسار ملکوت۔ و طوطی شکرستان لاهوت است
با غزل سرائی و بذله سنجی چه کار۔ چگونه روا باشد کسے را که در طریق علم و حکمت بر اثر سقراط و فلاطون

قدمے راہ رفتن موجب ننگ و عار باشد۔ و کمینہ صناعتی امثال عرفی و نظیری را مقلد عمل بودن و زلالی و انوری را مقتدائے فن ساختن۔ گر ہم در زمان سلف نقدِ معنی گنجینہ داران و عرصہ نکر یا شہسواران بودہ اند۔ و ہنگامہ گفتار را گرمی بازار۔ و ریاض سخن را رنگِ اعتبار بیش از زنان صاحب دیوان بودہ است۔ اما کسانیکہ در مصطبۂ ذوق رطلِ گران پیمودہ اند و از مایدہ تمیز حظّ وافر بودہ نیک میدانند کہ با آنکہ قطرہ ہا در بحر و سبزہ ہا در دشت و دستہ ہا در سبد و نغمہ ہا در ساز۔ و جرعہ ہا در ساغر و بادہ ہا در سبو۔ و بذلہ ہا در گفتار۔ و افسونہا در عمل۔ و شعرہا در دیوان و مصرعہ ہا در غزل فراوان بود۔ ہر قطرہ دُرِّ ثمین۔ و ہر سبزہ گل و یاسمین۔ و ہر دستہ دستۂ گل و ہر نغمہ نغمۂ بلبل۔ و ہر بذلہ نُقلِ محفل۔ و ہر افسون جادوے بابل۔ و ہر شعر تر۔ و ہر مصرعہ نشتر نباشد۔ رباعی

زمزم نتوان بہ ہر چشمہ رواں | یوسف نتوان خرید از ہر دکاں
ہر لب دم اعجاز ندارد چو مسیح | ہر کس نبود چو حسرتی سحر بیاں

جادہ کہ وے در سخن سنجی سے پیماید پیشینیاں نیز پیمودہ اند۔ اما پاشنہ ہا ریش و پا ہیا آبلہ دار بودہ است۔ اگر قدمے رفتہ اند۔ و خواجہ ہمہ گلگشت کناں میرود۔ و آہنگے کہ او درین پردہ سے سراید دیگراں ہم سرودہ اند۔ اما نظر ہا از سیر و اندیشہ ہا از تگ فرو ماندہ است۔ اگر مصرعے سنجیدہ اند و خواجہ ہمہ بدیہہ سے سنجد۔ آرے نغمۂ حقیقت در پردۂ اشعار سرودن و اسرارِ معنوی در کسوتِ تعبیر و بیان جلوہ گر نمودن نہ کار ہر حریب گفتار شوخ بیان ست۔ و آنگاہ حال تا قال و اثر تا عین تفاوتِ بسیار دارد۔ اینک دیوانے ترتیب دادہ و مجموعۂ فراہم آوردہ کہ سخن را اوج کمالے برتر ازاں دست دادن و سخنور را سرمایۂ قبولے خوشتر ازاں بہم رسیدن دشوار تر از آنست کہ نالۂ مرغان خوش آہنگ بموزونی عشاق و نہاد ند تواند رسید۔ و مرغولۂ مطربانِ جادو نوا

چوں لحنِ داؤدی آہن را موم تواند کرد۔ بنا میزد خمکدۂ صہبائے ذوق ہست و پردہ آہنگ شوق نظرگاہِ پاکاں شاہدباز است و نیرنگ حقیقت و مجاز۔ انیسِ خلوتِ گوشہ نشینان است و جلیس صحبت عشرت گزیناں۔ تہید ستانِ خرد را سرمایۂ ہوش ہست و دُردی کشانِ جنون را بادۂ سرجوش نسخۂ مفرح روحانی ہست و مجموعہ لطائف وجدانی۔ طالع سخن را رقم سرنوشت ہست و شاہدمعنی را حسن خداداد۔ روزگارِ فراق رنجستہ سرگذشت ہست و ایامِ وصال را فرخندہ روئداد و گلشن نظم را موسمِ بہار ست۔ و زمین شعر را آبِ جویبار۔ تفسیدہ درونان را مایۂ فرات ہست و شاد آں طبعاں را شیرۂ نبات۔ بالائے گفتار را خلعتِ دیبا ست و تشریفِ قبول را قامتِ زیبا۔ آنانکہ خاطر نکتہ فہم و طبع ادا شناس دارند بیابند۔ و ستر تا سر ایں قدسی صحیفہ بدیدۂ ہوش بنگرند تا دارسند کہ دریں نکتہ سنج معجز بیاں را در گزارشِ سخن خاصیتے است کہ دیگراں برآں دست نیافتہ اند۔ و اگر ہست پرسی کرامتے است کہ از خامۂ الہام طرازش بر روئے کار آمدہ یعنی جمہور اہلِ فن چنانکہ دانی اتفاق دارند بریں معنی کہ شعرا چندانکہ از صدرِ راستی دورتر برند بقبولِ دلہا نزدیکتر باشد۔ و ہر قدر از اوجِ صدق زیرتر اند از ندپایۂ حسنش بالاتر رود۔ و حق اینست کہ سخن بے مبالغہ و اغراق دلفریب نبود۔ چنانکہ نظامی میفرماید ؎

در شعر مپیچ و در فنِ او　چوں اکذب اوست احسنِ او

بااینہمہ گفتار آبدارش بے آنکہ چاشنی تبلیغ و غلو داشتہ باشد دلاویزتر از عشوۂ شاہدانِ مہوش و ذوق انگیزتر از بادۂ بیغش افتادہ است۔ انصاف بالائے طاعت است ایں چہ گفتار کہ آسمان برفراز است و زمین در نشیب۔ و چشمان در زیرِ ابرو انند و دندان جملہ در دہان از شنوندہ چہ دل رباید۔ و مستمع را چہ ذوق بخشد۔ پس بے آنکہ نوعے از صنعت اندیشہ و ایجاد طبیعت راد راں راہ دہی۔ چہ ساحری توانی کرد تا سامعہ یاراں بنوازی۔ و شورِ حسنت در انجمن

اندازی۔ ہمانا کار بکار بشر نیست۔ خواجہ سخن سرائی نمیکند۔ معجز نمائی میکند۔

ہیہات در سپارش راہ مدح جادۂ تنزل پیمودم و ممدوح را نہ باندازۂ قدر والایش ستودم۔ بحث از فضائل ذات و جلائل صفات بود۔ و سخن در توابع و عوارض گفتہ آمد۔ و لختے بدرازی کشید۔ ہرگاہ مشک و زعفران را رائحۂ روح پرور در نہاد است و مہر و ماہ را بوارق نور گستر خداداد۔ آن دوار ندہ جوہر ابہاہی ورندی ستودن۔ و این درخشندہ گوہر را بگرمی و سردی آفرین نمودن چرا۔ ہمانا قدم رخش کہ بہنگام تاخت بیراہہ رود عیب عنان گیر است۔ و پردہ ساز کہ در مقام بلندی بپستی گراید از قصور مغنی است۔ اکنون کہ رہرو نظر را پائے رہ پیما بسنگ آمد۔ و عجز بیان حیلہ جستن و بہانہ انگیختن آغاز نہاد۔ زنہار گمان نبرند کہ مدائح سخن و محامد سخنور بپایان رسیدہ باشد تا خامہ ستایشگر از خرامش و اندیشہ ثنا گستر از سگالش آرمیدہ باشد۔ حاشا حاشا کہ اگر قصیدہ را وحی و رباعی را الہام و غزل را اعجاز و غزل سرا را معجز نما گفتہ باشم۔ حرفے ازآن طومار واندکے ازآن بسیار بسزا گفتہ باشم آہ چہ توان کرد ہم تیر نارسا۔ و ہم صید بلند پرواز۔ ہم شب کوتاہ و ہم افسانہ دراز

زبان نکتہ فرو ماند و راز من باقیست بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

اللہ بس ماسوے ہوس

تقریظ دیوان سالک

صد قول بیک فرد طی میکنم امشب ہستی نہ باندازۂ مے میکنم امشب

حیرت زدۂ نیرنگی این کہن آشوب نگار۔ حالی نامہ سیاہ کہ دوش در شکنجۂ غم و اندوہ چون مرغ تازہ بدام افتادہ سراسیمہ و دلتنگ و باسخت جانی خویش در جنگ بود۔ اگر حرفے از رو داد خود

سرودہ باشد۔ ہمانا خویشتن را زحمت و انجمن را کلفت افزودہ باشد۔ تکلف برطرف۔ دلے داشت ہمہ موجِ خوں۔ و سرے داشت سرمایۂ جنوں۔ شبے بہ درازی شب ہائے فراق و دستے بہ پراگندگی خاطرِ عشاق۔ بے خودی ہمہ نقدِ گنجینۂ ہوش۔ و مستی ہمہ تعبیرِ خوابِ فراموش۔ ولولہ ہا میکرد و از جا مے رفت۔ نالہ ہا میکشید و دم نمیزد۔ گاہے اشکِ جگرگوں از دیدہ میبارید۔ وگاہے بر گریۂ خود میخندید۔ گاہے از روزگار نالیدے وگاہے از بخت نگونسار۔ گاہے بر اہرمن نفریں کردے۔ وگاہے بر نفس خویشتن گاہے در جستجوئے وقتِ رفتہ چپ و راست مے نگریست وگاہے از عمرِ رفتہ یاد میکرد و میگریست۔ گاہے رشتۂ امل چنداں دراز کردے کہ عنقا را اسیرِ دام خود پنداشتے و گاہے از دورباشِ حرماں آنچناں گسستہ امید گشتے کہ سہل را دشوار و اندک را بسیار انگاشتے۔ بالجملہ حالتے درپیش داشت کہ قیامتے با خویش داشت۔ و چنیں ہنگام کہ صحبتِ احباب چوں فرقتِ محبوب ناگوار۔ و بذلۂ اصحاب تلخ تر از طعنۂ اغیار بود۔ اگر سودائے گفتنے در سر و خلش ایں خار در جگر نمیداشتم غنچۂ خاطرم ہیچ شگفتے۔ و در دیدہ دلم نہار چارۂ نہ پدید رفتم کہ بمطالعۂ دیوان حضرت خواجہ شیراز دے خالی کنم و بیکے دو جرعہ ازاں بادۂ کہن غمِ دین و دنیا فراموش سازم۔ ناگرفت از دریچۂ ہوش ایں صدا بگوش خورد کہ ہان ہاں حالی روشن نفس۔ اے بفہمِ ادا آشناس و بنکتہ بالغ رس ہم شکرریزی طوطیانِ ہند دیدۂ۔ و ہم نغمۂ بلبلانِ عجم شنیدۂ۔ یکے در چمنستانِ سالک بیا۔ و دیدہ و دل را رخصتِ تماشا دہ۔ تا دانستی کہ گلشنِ معنی در عینِ خزاں شگفتہ و شاداب است و نہالِ سخن در پایانِ موسم تازہ تر از عہدِ شباب۔ ندانم ایں صدائے دلکش از کجا بود و چہ بلا گرمی اثر با خود داشت کہ تا از پردۂ گوش بدل فرود آمد۔ مرا در من نگذاشت۔ چوں بخود باز آمدم گرم از جا

برخاستم و دیوانِ سالک خواستم۔ سبحان اللہ کتابے دیدم چوں نسخۂ جمالِ یوسفی سراپا انتخاب
و زلیخائے سخن را بازگشت عہدِ شباب۔ اما آتش ریختہ اما رشک پہلوی و دری۔ بیانش
سادہ اما نمونۂ گفتار سعدی و انوری۔ مضامین ہمہ تازہ و نو۔ معانی ہمہ الفاظ را در گرو۔ قصیدہ
و غزل ہمہ طلسم رنگ و بو۔ قطعہ و رباعی ہمہ کرشمہ و جادو۔ ذکرِ فراق دل آویز تر از عدۂ وصال
شکوۂ جفا طرب انگیز تر از مژدۂ وفا۔ آنجا کہ طولِ مقال است لفظ را اندازۂ وسعتِ خیال است
و آنجا کہ اختصارِ بیان است ہفت دریا در کوزہ نہاں است۔ منکہ جز بگفتارِ پیشینیاں سرے نہ
در کوچۂ خموشاں گذرے نداشتم۔ از حلاوت ایں ثمر نورس آنچناں کارِ کام و زبان ساختم کہ
دل از ذوقِ قند نظیری۔ و چاشنی نمک عرفی بکلی پرداختم۔ گویند ہر سخن سنج را در غزل
سرائی طریقے خاص است کہ مر او را بداں طریق اختصاص است۔ یکے از آتش عشق مجاز
چراغے در راہِ فکر نہادہ۔ و دیگرے از عالمِ حقیقت درے بروے دل کشادہ۔ یکے در جستن
معنی بلند باعنقا ہم پرواز۔ و دیگرے در بستنِ معاملات و قوعی کرشمہ سنج و سحر پرداز۔ یکے را
وصفِ دلدار پیرایۂ بیان۔ و دیگرے را رشکِ اغیار تازیانۂ زبان۔ کمتر کسے بودہ باشد کہ
ایں ہمہ مراحل را بیک رفتار پیمودہ باشد۔ آرے در ہر شیوۂ سخن نغز گفتن و در ہر رشتہ
گوہرِ معنی سفتن۔ نہ حدِ ہر چرب گفتار شوخ بیان است۔ اما در خمکدۂ کہ غالب بادہ فروش است
و سالک بادہ پیما۔ بادہا ہمہ سر جوش است و نشہ ہا ہمہ رسا۔ اینجا مستی حریفاں در شمار نہ
بینی۔ اینجا حریفے در خمار نہ بینی۔ اینجا لاے خوارانند بر چرخ موج زن۔ اینجا دُردی کشانند
باعطارد ہم سخن۔ اینجا نواہائے گوناگوں از یک قانون برمیخیزد۔ اینجا اداہائے رنگا رنگ
از یک طبع موزوں سر برمیزند۔ اینجا ہر کس جانِ سخن است و سخن جانِ اوست۔ و حُسنِ
معنی از آنِ اوست بلکہ آبروے در شانِ اوست۔ خاصہ آن آئینہ صورت نمائے غالب و

مرا و ہیچو من ہزار را بجاے غالب۔ آں در سخنوری یکتا۔ و در پاک گوہری بے ہمتا۔ آں در شعلہ زبانی علم و در شیوہ بیانی مسلّم۔ آں رہرو قدسی سالک جناب مرزا قربان علی بیگ متخلص بہ سالک لازال ظلہٗ ظلیلاً و ذکرہٗ جمیلاً کہ امروز نکتہ وری و نکتہ سنجی استادان استاد است۔ و جہان آباد از شرفِ وجودِ مسعودش جہان آباد است۔ الحق اگر سخن را صہبا میتواں گفت سخنش سرجوش بادہ سخن است۔ و اگر شاعری را فن میتواں خواند خواجہ یگانۂ ایں فن است۔ یارب چنانکہ ہند از غالب خلد آرامگاہ رشک ایران و توران بودہ است۔ دہلی از سالکِ معنی پناہ غیرتِ شیراز و صفاہاں باد۔

تقریظ دیوانِ قلق

ایں دیوانِ غرابت عنوان از افاداتِ مرحومی حکیم غلام مولی متخلص بہ قلق است کہ شاگردِ رشید۔ خانِ رفیع المکان جناب غفران مآب حکیم مومن خانِ مومن بودہ اند۔ اصل ایشاں از میرٹھ و در دوازدہ سالگی از آنجا بہ خیر البلاد جہان آباد آمدہ و بہ کسب کمال و تحصیل علم پرداختند۔ و تا زمانیکہ واقعۂ طغیانِ سپاہِ باغی آں شہر لطافت بحر را موردِ آفات و مرکز فتنہ و بلیات کردہ۔ ہمدرینجا اقامت داشتند۔ مدتے طویل زبانِ پارسی از انفاس متبرکۂ مولانا امام بخش صہبائی فرا گرفتند۔ گویند از جملۂ شاگردانِ آنجناب بہ جودتِ طبع و حدتِ ذہن اختصاص داشتند۔ و صرف و نحو و منطق و دیگر فنونِ عربیہ را از ملا انتظام علی سہارنپوری اخذ کردند۔ و طب از حکیم غلام نقشبند خاں دہلوی کسب نمودند۔ درآں ایام کہ گلشنِ دہلی را آخر فصلِ بہار بود۔ جمعے از گرانمایگانِ عالمِ معنی و چابک خرامانِ عرصۂ سخن چوں غالب و ذوق و مومن و سائرین کہ در سخنوری و نکتہ پروری فخرِ دہلی بل نازشِ ہندوستان بودند۔ درپیا

معمورہ جاداشتند۔ واز فیضِ وجودِ ایشاں عالمے را ہولٔ شعر و سخن در سر افتادہ بود۔ حکیم مغفور کہ با موزونیِ طبع و جودتِ ذہن فکرے بلند پرواز داشتند۔ باوجود مشاغلِ علمیہ نتوانستند خود را ازیں بادۂ مرد افگن برکراں دارند۔ لاجرم داعیۂ غزل سرائی در خاطرِ ایشاں پدید آمد۔ مومن مرحوم را چنانکہ از مطالعۂ دیوانِ ایشاں مفہوم میشود بہ استادی برگزیدند و رفتہ رفتہ در خاطرِ استاد موقعِ قبول یافتند۔

مخفی مباد کہ مومن مرحوم در غزل و اصنافِ دیگر از سخن دو طریق مسلوک داشتہ اند یکے عام و دیگر خاص۔ طریقے کہ عام ہست و آں کثیر ہست۔ ہمیں طریقۂ میر و میرزا و سائر ریختہ گویانِ نامی و استادانِ گرامی ہست۔ و طریقے کہ نتیجۂ طبعِ وقادِ ایشاں و مخصوص با ایشان ہست۔ اگرچہ از شاہراہِ عامۂ شعرا بیگانگی دارد اما سببِ شہرت و بلند آوازگیِ حکیم سابق الوصف شدہ ایشاں را در چار سوے ہندوستان بہ استادی و نازک خیالی و دقت آفرینی علم ساختہ۔ ازانجا کہ حکیم مولیٰ بخش قلق را میلِ طبع و مناسبتِ خاطر بطریقۂ خاصۂ خویش دیدہ بودند نظرے خاص بحالِ ایشاں مے گماشتند و بعلاوۂ اصلاحِ سخن و القائے غوامض و دقائقِ ایں فن انواعِ لطف و کرم و اصنافِ شفقت و عنایت مبذول میداشتند تا آنکہ سخنِ ایشاں نوعے پختگی پیدا کرد۔ ہرجا کہ بزمِ مشاعرہ انعقاد مے یافت با استادانِ دیگر ہمطرح شدہ داد غزل سرائی میدادند و حاضرین را تعجب بر تعجب و حیرت بر حیرت مے افزودند۔ چوں آتش بغی و فساد در چار سوے دہلی بالا گرفت۔ ما منے بہتر از آنکہ بوطن گاہ خود معاودت کنند۔ درمیان ندیدند۔ ناگزیر از دہلی بہ میرٹھ رفتہ ہمدر آنجا رختِ اقامت انداختند۔ و تا سال ہزار و دو صد و نود و شش کہ سالِ رحلت ایشاں ازیں خاکدان بہ عالمِ جاودان ہست در آنجا بودند۔ و در بعضے مدارسِ دولتی خدمتِ درسِ فارسی با ایشاں

تعلق داشت کہ وجہِ معاش و سامان قوتِ لایموتِ ایشاں بود۔ بسیار قانع و غیور بودند بفضل و
ہنر از مال و دولت مستغنی و در شعر و سخن عندُ طائفۃ بہ استادی علم بودند و نیز بہ طبابت
دستے داشتند و لختے از اوقاتِ عزیز را در معالجہ و مداوائے مرضیٰ بذل مینمودند۔ از وصایائے
ایشاں کہ پیش از وفات باکہین برادرِ خود درمیان نہادند یکے آں بود کہ دیوانِ اشعار
ایشاں را بقالبِ طبع ریختہ اشاعت آں کردہ باشند۔ یگانہ دادگر مہر گستر و فرزانہ ہنرور
ہنر پرور بابو محمد عبداللہ کہ برادر اصغر حکیم مغفور میباشند۔ باآنکہ در مدارس انگلیسی تعلیم یافتہ
عمرے دریں وادی بسر بردہ اند و چنانکہ دابِ اکثر از انگلش دانان است۔ ذوق شعر و سخن
کمتر دارند و نیز از خدماتِ متعلقۂ خود فارغ نیستند۔ باز وصیت برادر مرحوم را از جملۂ فرائض
مکتوبہ دانستہ کوششے بلیغ و توجہے فوق العادۃ در طبع و اشاعتِ کلامِ ایشاں بکار
بردند۔ و مانند اخلافِ رشید و اعقابِ سعید وصیت آں مغفور بجا آوردہ نامِ برادر را
بہ گیتی سمر و خود را از برادر نکو نام تر ساختند۔

لراقمہ

گر برادران زیشاں مہر و دہ سستی ورزند　　چوں رسد بفرزنداں نوبتِ نکوییہا

عرضداشت بحضور نواب کلب علی خاں بہادر رئیس رامپور
در شکر عطیۂ دیوانِ فارسی موسوم بہ دستنبوی خاقانی و مجموعۂ نثر فارسی موسوم بہ درۃ التاج



عالم پناہا! سہ روز ست کہ بعد یکماہہ سفرے نوبت کہ در اوائلِ رمضان
فجاءۃً بحسبِ ضرورت اتفاق افتادہ بود بدہلی رسیدم و بنسخۂ اکسیر اعظم یکے

ورقۂ التاج و دیگر وستنبوے خاقانی بتوسط مکرمی میرزا داغ برخوردم. آما بسبب تاخیرے کہ در گذاردن فریضۂ سپاس گذاری بالاضطرار لا بالاختیار بروے کار آمد بغایت منفعل شدم. اما الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ کار باحضرت کریمے ہست کہ ہم خطاپوش است وہم عذر نیوش. بالجملہ درشان این ہر دو شاہد رعنا زبان بمدح کشودن روشنان سپہر را بجلی وتحسین برشمردن وعشرۂ بحر محیط را بہ گز پیمودن است. سبحان اللہ باوصف مفاخر دینی ودنیوی وکمالات صوری ومعنوی وفضائل علمی وعملی ومحامد خلقی وخلقی ومحاسن وہبی واکتسابی در نظم ونثر اردو وفارسی نیز کہ دون مرتبۂ جلیلۂ خدام والا مقام ہست مکانتے ارجمند کہ امروز باذات قدسی صفات ہست. درعامۂ ابنائے زمان عموماً ودر اہل صناعت خصوصاً کمتر دیدہ میشود. وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. کسانیکہ شعر را تمیمی خود ساختہ اند و عمرے دراز درین وادی خاک بیزی کردہ ہر آئینہ از منظر نگاہ خسروی بمراحل دور افتادہ اند. آرے ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگران ہم بکنند انچہ مسیحا میکرد

یارب شجرۂ طیبۂ ذات ملکی صفات کہ اصل او در زمین وفرع او فوق السمٰوٰت است ابد الآبدین ودہر الداہرین از ثمرات گونی والہی بارور وبر فرق ابنائے امانی وآمال سایہ گستر باد.

ایضاً

بعد از تقدیم وظائف خیر اندیشی ودعائے صحت وسویت مزاج اقدس اعلےٰ کہ عین معین فیض عام ورکن رکین بنائے اسلام ہست بعرض مطلب پردازد. امیدگاہا درین نزدیکی بسمع فدوی ہوا خواہ رسیدہ کہ اندنا خوشی ہائے دیرینہ درین روزہا تغیرے

بطبعِ اشرف بندگانِ حضور راہ یافتہ است۔ ہمیں کہ ایں خبرِ مشوّش بگوشِ خیر سگالِ خورد
سوابقِ حقوقِ خسروی کہ مرّۃً بعدِ اُخرےٰ بریں بندہ متحقق بودہ است بر آں آورد کہ خود را مہلت
یک ساعت نہ دادہ زود از جائے برخیزد۔ و ہر قدر عجلت کہ میتواں بکار برد بجا آوردہ بدرِ
دولت رسد۔ و چشمِ تمنا را بنورِ جمال با کمال منور گرداند۔ اما یک ماہ بیش گذشتہ باشد کہ
بعوارضِ نزلہ و سُعالِ مفرط و ذات الجنب وغیرہ مبتلا است و ازیں جہت در ادائے
فرائضِ خدمتِ متعلقہ نیز قصورے راہ یافتہ است و نیز نمیتواند خود را بوطن برساند
پس بکمالِ شرمساری و خجالت خوے از جبین سر دادہ و سر در پیش افگندہ تمہیدِ عذر و پوزش
جسارت مینماید۔ بو کہ بموقفِ اجابت رسد۔ و مع ذٰلک عزم جزم کردہ است کہ ہرگاہ در امراض
لاحقہ افاقتے بہم رسید علی الفور باندازِ تقبیلِ عتبۂ عالیہ خواہد شتافت۔ و مہما امکن از عہدۂ
بعضے از حقوقِ بندگی بیروں خواہد آمد۔ امید از درگاہ قاضی الحاجات و مجیب الدعوات
آں دارد کہ لشکرِ دعاے عالمے از مساکین و ضعفاء و ارامل و ایتام و صلحا و زہّاد و فقرا
و عبّاد و دیگر بندگانِ الٰہی کہ از مائدۂ نعمتِ خسروی بہرہ مے ربایند و در سایۂ عاطفتِ حضور
تربیت میبایند۔ زود بمدافعتِ جملہ بلیّات و مقاومتِ تمامی مکروہات تواند کرد کہ مخبرِ صادق
علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا را رادّ القضا فرمودہ است۔ اَللّٰہُ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔

عریضہ بنامِ نامی جناب مرزا اسد اللہ خان غالب در بیانِ معنی شعرِ نظیری کہ جنابِ ممدوح آنرا ناقص العیار و نظیری را قرار دادہ بود حسبِ ایمائے آنجناب

قبلہ و کعبہ۔ سخنے را کہ اندازہ دانانِ گفتار و ادا شناسانِ معنی از نظرِ اعتبار انداختہ
باشند۔ گو ہمہ از نظیری و عرفی باشد ہیچ تاویل و توجیہ طراز قبول نتواں داد خاصہ بسعیِ ہیچو منے

کہ بلدِ راہ سخن و مردِ این فن خود نیم چگونہ این نقش درست تواند نشست۔ الحق شکستہ را بستن و گسستہ را پیوستن و پارہ را دوختن کارے ست بس دشوار و دشوارتر ازان است طرف شدن با اُستادانِ فن و مردانِ کار۔ و انگاہ باکسیکہ در سخنوری و سخندانی و نکتہ سنجی و نکتہ رانی یگانۂ روزگار بودہ باشد۔ حقّا کہ پاس امتثالِ امرِ واجب الاذعان در نظر دارم ورنہ در نگارشِ معنیِ شعرِ نظیری کہ مخدوم آں را نظری داشتہ اند ہرگز جرأتے بکار نمے رفت چہ مرا کہ ازاں چشمہ آب خوردہ ام و ازاں مائدہ زلّہ ربودہ ام۔ اگر بفرضِ محال رائے در فہمِ معنیِ شعر بصواب بودہ باشد۔ در برابر گفتگوے کہ باآں حضرت در میان آید۔ چارہ جز تسلیم و جواب جز خموشی نیست۔ للہ الحمد کہ سر از فرمان نہ پیچیدہ ام۔ اگرچہ سر رشتۂ ادب از دست رفتہ است۔ خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم۔ والسلام مع التحیۃ والتکریم۔

قال نظیری

جذبِ عشقم فی المثل در حسن پیدا ساختن ۔ خضرِ چاہِ یوسفم از آبِ حیوان نیستم

بدانست خاکسار قائل از عشق و حسن درین شعر عشق و حسن مطلق خواستہ است چنانکہ این ہر دو مفہوم از حدیثِ قدسی کُنتُ کَنزاً مَخفِیّاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ مستفاد مے شود۔ کنزِ مخفی ہماں حسنِ مطلق است۔ و اقتضاے ذاتی کہ از لفظ اَحبَبتُ متبادر میشود و تعبیر ازاں بعشق میتواں کرد۔ اگرچہ منشاے ظہور کنزِ مخفی ہماں اقتضاے ذاتی ست و بس۔ اما اطلاق منشائیۃ بر اعیان موجودات۔ ہم کہ بمنزلۂ علتِ مادیہ اند۔ مر آں ظہور را در امثال مقدمات خطابیہ و شعریہ میتواں کرد۔ قائل دعوے میکند و دعوے خود صادق است کہ منکہ از جملۂ اعیانِ موجودات ام در پیدا ساختنِ حسنِ مطلق حکمِ جاذبِ عشق پیدا کردہ ام۔ گویا خضرم کہ از چاہ یوسف نشان میدہم نہ آں خضر کہ از آبِ حیواں نشان میدہد پس

خود را بجذب عشق - و گنج مخفی را که عبارت از حسن مطلق است بیوسف در چاه افتاده تشبیه
داده است و وجه تشبیه ظاهر است فقط ۔۔

بنام جناب حافظ قاضی عبدالرحمٰن مرحوم پانی پتی متخلص تحسین

یارب این قدر سرگرمیِ آرزو و فزونِ سریِ خواهش اگر از جنون جولانیِ هوس هرزه تکاپوی
طمعِ خام است - چیزم که دمبدم زخم دردِ دل در بالیدگی و پیکرِ جان در کاهیدگی و بیتابیِ دل
در فزونی و توسنِ صبر در حرونی چرا است - و اگر اینهمه بوقلمونیها از خونگرمیِ مهر و وفا و بالادستیِ
شوق کارفرما است - آنچیست که صاعقهٔ محبت هنوز بخرمنِ آسایشِ دوست همتے نگماشته
و صرصرِ تاثیرِ دوستی پردهٔ بے نیازی از خاطرِ نازکش بر نداشته - چه اگر آنست دیرتر صورت
نه بندد و اگر اینست از دل بدل زود پیوند - کما بیش شش سال ست که دل جویاے وصال و
جان آرزومندِ ملاقات و چشم طالبِ دیدار و گوش مشتاقِ پیام است - هر که یکچند از غصهٔ
انتظار - دندان بر جگر افشرده و روزگارے بیادِ دوستدارے بسر آورده باشد - مے داند
که چها دوران به عذابِ دوزخ مبتلا بودن به که ساعتے در امیدواری گذرانیدن - آه از من که
عمرے بدین غم و غصه و تپش و اضطراب گذرانیده و شبها از قلقِ جدائی نخفته مدتها از
آه پرسش و روئی نیار سیده ام ع

بے تو گزیسته ام تلخیِ این رنج   بگذر از مرگ که وابسته بهنگامے هست

هرچند در نگارشِ احوالِ خود با و پرسشِ اخبار همدگر قصورے و درنگے کرفته نه از آنسو بلکه از ینسو
هم بروے کار آمده - و از ینجاست که در شکوه گذاری خامه را دلیر نمیتوانم کرد - اما اگر راست
پرسی و از حق نه رنجی میتوانم گفت که در پرسش جوے اخبار و تفتیشِ احوال کوششے که بجا آورده

وجہدے کہ بکار بردہ ام مرا از عہدۂ پیام گذاری و نامہ نگاری بدر آورد۔ اگر باور نکنند اینک
عالمے بر صدق دعوے من گواہ است۔ ہر جا کہ رفتہ با کسے از دوشناسان شما
برخوردہ ام اول از شما پرسیدہ ام۔ باز سخن دیگر بزبان راندہ ام۔ اما از شما آنمایۂ التفات
بلکہ صد یک آں ہم چشم ندارم۔ و چگونہ چشم تواں داشت کہ با آنکہ زمانے دراز در پانی پت
اقامت ورزیدہ و با بسیارے از آشنا و بیگانہ صحبتہا اتفاق افتاد۔ اما یاد ندارم کہ در
پانی پت کسے کہ یاد آوردن شما ازیں ناکس گمنام بمیان آوردہ باشد۔ حقا کہ استواری
اساس مودت و اتحاد و صفائے مشرب مذہب اخلاص نہ بحد یست کہ آں ہیچ ہمدمانہ
جا تواند جنبید و ایں ہیچ کدورت متغیر تواند گشت۔ ورنہ داد آنست کہ درمیانہ آشنائی
و بیگانگی گردش چشمے بیش نیست ؎

نومیدی از وصال تو طاقت گداز بود — صد جا گرہ زدیم امید برید را

الحاصل بندہ تا یک ماہ در دہلی مقیم است امید کہ زود نہ دیر جواب ایں اخلاص نامہ ارزانی
فرمایند۔ بدیں نشان کہ لفافہ در دہلی متصل چتلی قبر بمکان نواب محمد مرتضیٰ خاں مرحوم نزد
مکتوب الیہ برسد۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد رسیدن جواب آں سرگذشت ایام جدائی
بتفصیل نگارش خواہم کرد۔ اکنوں کہ ورق بپایاں رسید و مجال وقت تنگ و افسانہ بس دراز ؎

نامہ بحرف اشتیاق تمام — ختم شد۔ والسلام والاکرام

ایضاً

رسید نہانے منقار ہما بر استخوان غالب — پس از عمرے بیاد من اور سم راہ پیکاں را

الحمد للہ کہ نامۂ والا بعد مدت دراز رسید و رابطۂ دیرینہ را نوی بخشید و مرا از شکایتہائے بیجا

منفعل ساخت۔ دانستم کہ بر انداختن مراسم صوری پیوند معنوی را زیان ندارد۔ اما ایں قدر
ہست کہ چوں راہِ نامہ و پیام بستہ شود و ایں حالت لختے بہ درازی کشد تلکے را از ہر دو
جانب بحکم بے اختیاری ہائے شوق سر رشتۂ ضبط و تمکین از دست رود و سر حرف باز نتواں
کرد۔ و باختیار ہم اگر بہ نتواں خورد۔ گمان نبرند کہ در پردۂ سپاس گذاری بر دوست منت نہم
ہمانا شکرے کہ بوے شکایت ندہد و سخنے کہ بکنایہ ادا کردہ نشود۔ بیگانۂ مذاق آشنائی است
ورنہ حاشا ثم حاشا کہ اندیشۂ دیگر در سینۂ اخلاص آگیں گنجایش داشتہ باشد۔ چوں از سرگذشت
مخلص استفسار فرمودہ اند پارۂ ازاں گذارش کردہ میشود۔ مخفی مباد کہ ہرگاہ سنگ تفرقہ
بر سر جمعیت رسید و گلشن فراغ را موسم خزاں فرا پیش آمد۔ شما در گورگانوہ از یار و دیار و وطن
من ہم بہ پانی پت در شکنجۂ جدائی رنجور۔ دو سہ سال در بیت الحزن معتکف بودم دل ہمیشہ
را بوعدۂ امروز و فردا ہمے فریفتم۔ تا آنکہ لشکرِ وحشت ہجوم آورد و سر رشتۂ ثبات از دست
رفت۔ رخت سفر بدہلی کشیدہ آمد۔ و ازانجا بمیرٹھ و ازانجا بہ مرادآباد۔ و باز ز مرادآباد
بجانب سکندرہ اتفاق مراجعت افتاد۔ روزے چند ہم درآنجا بخدمت برادر مکرم اقامت
ورزیدم۔ چوں دو سہ ماہ بریں برآمد و خواہشے کہ دریں کشش و کوشش مطمح نظر بود روائی
نہ پذیرفت۔ ناچار با زمانۂ ناسازگار در ساختم۔ نواب محمد مصطفےٰ خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد
در بلند شہر اقامت داشتند۔ مرا بخدمت ایشاں بردند۔ بعد از آنکہ گفتگوہا و پرسشہا
بمیان آمد بحکم مناسبتے کہ دیدند مرا در گوشۂ خاطر جا دادند و بملازمت خود برگرفتند۔ کما
بیش چار سال است کہ در جہانگیر آباد زندگانی بسر می برم۔ وجہ معاش اگرچہ حد اقل الکفی است
اما لطفِ صحبت از حوصلۂ توقع فزوں تر است۔ دریں روزگار کہ آدمی عنقا و آدمیت حکم
کبریت احمر دارد۔ ملازمت ایں یگانۂ روشن طبع آگاہ دل را از فتوحاتِ غیبی می شمرم

ذہن ثاقب و فہم رسا و طبع جواد و خلق کریم و فکر صائب و نظر عمیق بدیں پایہ کمتر دیدہ شد
الحق فرشتہ را طبع کرشمہ سنج و خاطر سحر آفریں بخشیدہ بصورت انسان آفریدہ اند۔ و انگاہ
خون گرمی خلف الصدق ایشاں نواب محمد علیخاں کہ بحلیۂ تہذیب آراستہ و بزیور اہلیت
پیراستہ فروے است مرا از من ربودہ است سخن کوتاہ نا ستے دارم کہ اگر چرخ بدین شکل
بگردد مے رسد کششں،،

روزگارم گر چنیں با او نظیری بگذرد رشک آید عالمے را بر من احوال من

شنیدہ ام کہ دریں عرض مدت ورزش سخن را بغایت کمال رسانیدہ اند۔ از مرزا
صاحب اکثر ستائیشہا دربارہ آں مکرم شنیدہ ام حیف صد ہزار حیف کہ من بگفتار شما
کار کام و زباں نسازم۔ و بیگانگاں ازاں کامیاب شوند۔ امروز بہ پانی پت میروم
رمضان ہم درآنجا بسر مے برم۔ پاسخ اخلاص نامہ بہ پانی پت فرستند۔ و زود فرستند و یک
دو غزل از نتائج فکر بلند درآں صحیفہ رقم فرمایند۔ و اگر فرصت دست دہد در زمین غزل
نظیری کہ بالا گذشت سگالش فرمودہ سامعۂ یاراں بنوازند۔ بارہا تذکرۂ صاحب با
نواب صاحب درمیان آمدہ است۔ اما از گفتار شما ہیچ نشنیدہ اند۔ ولاکن شوق لبیار
دارند۔ دیگر آنکہ طول ایام جدائی بغایت رسیدہ و چرخ شعبدہ باز ہمچناں در صدد تفرقہ
اندازیست۔ و فرصت جمعیت چوں وقت رفتہ باز آمدنی نے نماید و غالب کہ بقیۂ ایام
زندگی در آرزو من بہا بگذرد۔ اکنوں کہ ماہ رمضان است۔ تقریب عزم وطن بہتر از یں
بدست نخواہد آمد۔ اگر آں مکرم نیز دریں ایام بہ پانی پت بیایند و ماہ مبارک ہمدر آنجا
بسر برند چہ خوش باشد۔ وَاللّٰہُ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔

بنام جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی

ساختن ممنونِ دیدار و بحسرت سوختن   از قصورِ فہمِ حسرت یان خداداد نیست

یا رب ہر دردے را بدواے چارہ میتوان کرد و ہر گرہے را بناخنے باز میتوان نمود۔ اما سوزِ دروں کہ تمنا نام دارد و نامِ دیگرش ناشکیبائی ست چہ بلا زحمتے ست کہ بہ ہیچ افسوں چارہ پذیر نیست۔ تشنہ را بدم آبے و گرسنہ را بپارۂ نانے تسلی میتوان داد۔ و آرزومند دیدار بوصالِ جاودانی سیر نتوان کرد۔ ازینجاست کہ پروانہ در صفِ چراغاں از تپ و تاب باز نہ ایستد۔ و بلبل در عینِ بہاراں از نالہ و شیون دم فرو نگیرد۔ گوئی مغلوبِ سطوتِ شوق نوش از نیش و ہجر از وصل باز نشناسد۔ وللہ درُّ من قال ؎

قالوا لعلّ الحبّ للمهجور تسليةٌ   وليس هذا سوى هذي لمهجورِ
فالوصل علّة هذا الاعتلال فلا   يحول السمّ ترياقاً لذي لسبِ

بسے بر نیامدہ کہ نامۂ نامی خدام نزولِ اجلال فرمودہ از جمالِ دل آرائے لیلیٰ نثر جلوہ ہوش ربائے شاہدِ نظم دو غرفۂ حدیقۂ معنی بروئے دل باز کشود و از حضورِ روحانی کہ بحکم سابقۂ ازلی دایما میسر بودہ است و خواہد بود بہ شہودِ جسمانی رسانید۔ و حجابِ دوری کہ پردۂ بصر بود نہ غشاوۂ بصیرت از میان برداشت۔ جائے آں بود کہ ازیں شادی بر خود بالیدے و در پیرہن نگنجیدے۔ اما اشتلم شوق کار فرما نگذاشت کہ لختے بخود آئیم و از صمیمِ رحمت بہرہ ربائیم۔ بالجملہ جگر تشنگی طلب بجائے رسیدہ کہ بزلالِ وصال ہم فرو نشستنی نیست تا بہ نامہ و پیام چہ رسد۔ حیرانم کہ دریں کشش و کوشش چہ می جوئیم و چہ می خواہم

میگریم واز گریہ چو طفلم خبرے نیست — در دل ہوسے ہست ندانم کہ چہ ہست

ہیہات مضمونِ شکر ہمہ در لباس نظم ادا کردہ شد و باندازۂ شورش نہاں ہنوز یکے از صد نگفتہ ام۔ بہ کہ بعجز بیان معترف شوم و سخن بریں یک بیتِ عرفی تمام کنم ؎

غمزہ چوں تیغ زند لب نہ کشائی عرفی — کہ بہ تحسین تو کیفیتِ زنہارے ہست

والتسلیم

نظمِ عربی

نظمِ عربی جو مخدومی منشی محمد کرم اللہ خاں دام بقاؤہم کی شادی کتخدائی کے موقع پر بطور مبارکباد کے بیماری کی حالت میں لاہور سے دہلی بھیجی گئی تھی

؎۱ بنفسی ما به جآء البشیر	وما افدی به شیٔ یسیر
؎۲ فبشّرنی وقد القیت سمعی	بسُوءٍ لا یکافئه سرور
؎۳ فقمت اذا وکیف یقوم مثلی	نحیفا لیس یبعثه النشور
؎۴ شکیّا لا یصاحبه انیس	غریبا لا یُزار ولا یزور
؎۵ نسیت ولم اکد انسی همومی	فما هذا النشاط وذا السرور
؎۶ اری الارجاء قد ملئت بهاءً	وفی القمرین فوق النور نور
؎۷ فیا للّٰه من ربعٍ بهیجٍ	به صحبٌ واخوانٌ حضور

؎۱ میری جان فدا ہو اُس خبر پر جو قاصد لایا ہے۔ مگر جو چیز میں فدا کرتا ہوں وہ حقیر چیز ہے ۱۲

؎۲ اُس نے مجھے ایسی خوشی کی خبر دی جس کی کوئی خوشی برابری نہیں کر سکتی ۱۲

؎۳ میں خوشی کے مارے کھڑا ہو گیا مگر مجھ جیسا ناتوان کیونکر کھڑا ہو سکتا ہے جسکو یوم نشور بھی نہیں اُٹھا سکتا ۱۲

؎۴ ایسا بیمار جسکا کوئی مونس نہیں اور ایسا مسافر کہ نہ اُس سے کوئی ملے اور نہ وہ کسی سے ملے ۱۲

؎۵ میں بھول گیا اپنے رنج جنکو بھول نہ سکتا تھا یہ کیسا نشاط ہے اور کیسی خوشی ہے ۱۲

؎۶ میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی دیکھتا ہوں۔ اور چاند سورج میں معمولی نور سے زیادہ نور پاتا ہوں ۱۲

؎۷ وہ پُر رونق مجلس کیسی مجلس ہو گی جس میں یار اور بھائی جمع ہوں گے ۱۲

كأنّ النّاس حول العروس كانوا — نجوماً بينها قمر منير

وارجو حضرة الاصحاب فيه — بشوق لا الى هوس يصير

فان يك فاتني ما كنت ارجو — اذاً قد فاتني خير كثير

اُحبّ ولست اكذب عرس قوم — لهم وللعروس شان كبير

ابوه وجدّه وهلمّ جرّاً — سريّ او غنيّ او امير

له في ذاته كرم عميم — كما في اسمه كرم شهير

فقرّت اعين الزوجين قرّاً — الى ما كان للدّنيا قرور

وكان مباركاً لهما ازدواج — بودّ لا يشاب اخاله نفور

فباطنه كظاهره سرور — وآخره كاوّله حبور

---

۱ گویا کہ لوگ دولہا کے گرد ستارے ہیں اور اُن کے بیچ میں چاند روشن ہے ۱۲

۲ میں وہاں یاروں میں شامل ہونے کی آرزو رکھتا ہوں۔ دلی شوق سے نہ جھوٹ موٹ ۱۲

۳ پھر اگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو بڑی دولت میرے ہاتھ سے جاتی رہی ۱۲

۴ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اُن لوگوں سے محبت ہے جن کی اور جن کے دولہا کی بہت بڑی شان ہے ۱۲

۵ دولہا کے باپ اور دادا اوپر تک یا سردار تھے یا دولتمند یا حاکم ۱۲

۶ دولہا کی ذات میں بھی کرم عمیم ہے۔ جیسے کہ اُس کے نام میں مشہور کرم ہے ۱۲

۷ خدا کرے جب تک کہ دنیا قائم ہے۔ میاں اور بی بی دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں ۱۲

۸ اور دونوں کو یہ عقد خالص محبت کے ساتھ مبارک ہو ۱۲

۹ اس عقد کا باطن مثل ظاہر کے بھلائی ہو اور اس کا آخر اول کی طرح خوشی ہو ۱۲

ذیل کی ابیات دہلی کے احباب کو لاہور سے اُس وقت لکھ کر بھیجی گئی تھیں جبکہ راقم دلی سے بدل کر لاہور کے سررشتہ ترجمہ میں چلا گیا تھا اور دوستوں کی جدائی میں مغموم تھا

۱ هَلْ مَنْ يُبَلِّغُ عَنْ مَحْصُورِ لَاهُورَ ۔۔۔ عَنْ مُبْتَلًى فِيهِ بَعْدَ الْكَوْرِ بِالْحَوْرِ

۲ اِلَى دِيَارٍ بِهَا سَلْمَى وَ اَهْلُهَا ۔۔۔ اَنْ لَمْ يَكُنْ فِي زَمَانِ الْبَيْنِ مِنْ خَيْرٍ

۳ هَلْ فِيكُمْ مَنْ يُوَاسِي حَائِرًا اَسِفًا ۔۔۔ بِمَا مَضَى مِنْ دَوَامِ الْقُرْبِ وَ الزَّوْرِ

۴ وَلَمْ يَزَلْ حَدَثَانُ الدَّهْرِ يُزْعِجُنِي ۔۔۔ يَوْمًا بِنَجْدٍ وَيَوْمًا كُنْتُ فِي غَوْرٍ

۵ لٰكِنَّنِي رَاسِخٌ فِي حُبِّكُمْ قَدَمِي ۔۔۔ فَلَنْ اَحُولَ عَنْ طَوْرٍ اِلَى طَوْرٍ

۶ اِنِّي اُحِبُّ وَاَهْوَى اَنْ اُلَاقِيَكُمْ ۔۔۔ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ نَحْوَكُمْ مَسْعَايَ اَوْ سَيْرِي

۷ اِنِّي اَرَانِي وَقَدْ اُنْضِيتُ مِنْ نَصَبٍ ۔۔۔ بِحَيْثُ لَمْ اَبْقَ اَنْ اَمْتَازَ عَنْ غَيْرِي

۸ وَاِذْ رَاَيْتُ قَضَاءَ اللّٰهِ مُحْتَكِمًا ۔۔۔ رَاَيْتُ نَفْعِي طَوَى فِيمَا يُرَى ضَيْرِي

---

۱ کون ہے جو پیغام پہنچائے لاہور میں گھرے ہوئے کی طرف سے جو کہ یہاں آکر آسائش کے بعد تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہے ۱۲

۲ اُس دیار میں جہاں سلمیٰ اور اسکے اہالی موالی رہتے ہیں یہ پیغام کہ جدائی کے زمانہ میں بھلائی بالکل نہ تھی ۱۲

۳ کوئی تم میں ایسا ہے کہ جو غمخواری کرے ایک حیرت زدہ کی جو گزشتہ صحبتوں اور ملاقاتوں پر افسوس کر رہا ہے ۱۲

۴ ہمیشہ زمانہ کے انقلاب مجھے بے آرام کرتے رہے ہیں۔ کبھی بلند جگہ اور کبھی پستی میں میری گزرتی رہی ہے ۱۲

۵ لیکن تمہاری محبت میں میرا قدم جما ہوا ہے۔ سو میں ایک حالت سے دوسری حالت بدلنے والا نہیں ہوں ۱۲

۶ میری خواہش اور میری آرزو یہ ہے کہ تم سے ملوں اگرچہ تمہاری طرف دوڑنا اور چلنا میرے اختیار میں نہیں ہے ۱۲

۷ میں جبکہ غم سے تحلیل ہو گیا ہوں اپنے تئیں ایسا پاتا ہوں کہ اپنے میں اور دوسرے میں تمیز نہیں کر سکتا ۱۲

۸ مگر جب میں نے حکم الٰہی کو سراسر حکمت سمجھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے ضرر میں میرا نفع مضمر ہے ۱۲

أرجو من الله بعد العسر میسرة إما على مهلة ما أو على فور[1]

ذیل کی نظم کارڈری صاحب کی شان میں اُسوقت لکھی گئی تھی جبکہ وہ لاہور میں قائم مقام ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم تھے اور راقم سررشتہ ترجمہ میں کام کرتا تھا۔ اور صاحب ممدوح سے ایک معاملہ میں سفارش کا خواستگار تھا۔

لنا أسبابین عند خصاصة[2]	تکون بنا ان نلتجی بالقصائد
فنثنی علی من کان یکفی امورنا[3]	ولا سیما من کان اشعرنا قد
وأنت الذی تحوی الفضائل جمة[4]	کما تحتوی الدأماء جم الفوائد
فتشنا لک تفتیش الصحاة عن العدی[5]	فلم نر شیئاً فیک غیر المحامد
لقد قلما ولیت امر جماعة[6]	فمیزت منهم واحداً بعد واحد
ومن ذا الذی یغرنک ذرب لسانه[7]	فانک لا تشری رضاک بکاسد

---

[1] اب میں خدا سے سختی کے بعد آسانی کی امید رکھتا ہوں خواہ کسیقدر دیر کے بعد اور خواہ جلدی ۱۲

[2] ہم ایشیا والے جب ہمیں کوئی حاجت پیش آتی ہے تو مدحیہ قصائد کی پناہ لیا کرتے ہیں ۱۲

[3] پس اس شخص کی تعریف کرتے ہیں جو ہماری کاربرآری کرے خصوصاً ایسا شخص جو شاعر اور نقاد سخن بھی ہو ۱۲

[4] اور تو وہ شخص ہے کہ تجھ میں بہت سے فضائل جمع ہیں جیسے کہ دریا میں بہت سے فوائد جمع ہوتے ہیں ۱۲

[5] ہم نے تیری اس طرح چھان بین کی جیسے نکتہ چیں اعدا کی کرتے ہیں مگر دیکھا ہم نے تجھمیں کوئی شے خوبیوں کے سوا ۱۲

[6] تھوڑے ہی دن ہوئے کہ تو ایک محکمہ کا افسر بنایا گیا ہے سو تونے اُسمیں ایک ایک کو اچھی طرح پرکھ لیا ۱۲

[7] وہ کون شخص ہے جسکی چرب زبانی تجھکو دھوکا دے سکے۔ کیونکہ تیری پسند نکمے کو نہیں قبول کر سکتی ۱۲

---

[1] یہ وہی کارڈری صاحب ہیں جو آخر کو پنشن مقرر ہوکر حیدرآباد گئے اور کئی سال وہاں رزیڈنٹ رہے ۱۲

ولم ینسک الغیاب عنک مغیبهم[1]	فعندک حق الغائبین کشاهد
اتیت ببدع لم یجئ قبل واحد[2]	الیه سبیلاً من ذکی وخامد
کشفت غطاء عن خبیات هومر[3]	کما یکشف الصبح الدجی عن مراقد
وهل بعد هذا الفضل للمرء حاجة[4]	الی غیره من بینات الشواهد
مدحتک حقاً غیر مطر مبالغ[5]	وشانک عندی فوق تلک المحامد

مبارک باد شادی کتخدائی جناب مرزا ثریا جاہ صاحب گورگانی خلف اوسط جناب مرزا ہدایت افزا المعروف بہ مرزا الٰہی بخش مرحوم جو میرے عزیز دوست مولوی مرزا اشرف بیگ مرحوم کی فرمایش سے لکھی گئی تھی

اَبَیتَ اللَّعنَ[6] نُخبَۃَ آلِ قَومٍ	اِلَیھِم یَنتَھِی کُلُّ المَعَالِی

[1] تجھکو غائبین کا نظر سے اوجھل ہونا بھلا نہیں سکتا۔ تیرے نزدیک غائب اور حاضر میں کچھ فرق نہیں ۱۲

[2] تونے ایک ایسا نادر کام کیا ہی کہ تجھ سے پہلے کسی ذکی یا غبی کو اُس کا رستہ نہیں ملا ۱۲

[3] تونے ہومر کی نظم کی مشکلات کا پردہ اس طرح اٹھا دیا ہی جیسے صبح خوابگاہوں سے اندھیرا زائل کردیتی ہی ۱۲

[4] کیا اس فضیلت کے بعد آدمی کو کسی اور روشن تر شہادت کی حاجت باقی رہتی ہی؟ ۱۲

[5] میں نے تمہاری تعریف سچ سچ بغیر مبالغے کے کی ہی۔ مگر میرے نزدیک تمہاری شان اس تعریف سے بالاتر ہی ۱۲

[6] تو لعنت سے محفوظ رہیو۔ اے اُن لوگوں کی اولاد کے انتخاب جن کی طرف تمام بڑائیاں منتہی ہوتی ہیں ۱۲

[1] کاؤپر صاحب نے یونان کے مشہور شاعر ہومر کی کتاب نظم یعنی الیڈ کا ترجمہ یونانی سے انگریزی نظم میں کرکے انگلستان میں بڑی شہرت حاصل کی ہی۔ یہ اُسی ترجمہ کی طرف اشارہ ہی ۱۲ حالی [2] عرب زمانۂ جاہلیت میں سلاطین و ملوک سے خطاب کرتے وقت یہ جملہ بطور تحیت و دعا کے بولا کرتے تھے اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تو نفرین و بددعا سے ہمیشہ بچا رہیو ۱۲

لهم بین الوریٰ ذکرٌ رفیعٌ[۱]	وشانٌ فی ملوك الدهر عالٍ
وانك انت یا من طاب نفسًا[۲]	لهم خیر الجد و لخیر آلٍ
خطبت کریمةً من طیبات[۳]	اولات الفضل خیرة الفعالِ
فیا للمنتدیٰ خیر التوادی[۴]	به حُققت موالات الموالی
ویا للعرس من فحل کریم[۵]	اثیل المجد محمود الخصالِ
یجود بما یضنّ ولا یباهی[۶]	ویفعل ما یشاء ولا یبالی
یجیب السائلین بغیر مکث[۷]	ویعطی العائلین بلا سؤالِ
وان یك اصغر الاقران سنًّا[۸]	فاکبرهم بلوغًا فی الکمالِ
فبورك فیه مادام الثریا[۹]	وما انسلخ النهار من اللیالی

[۱] جن کا نام دنیا میں بلند ہے اور جن کی شان شاہان عالم میں عالی ہے ۱۲

[۲] اور تو اے پاک نفس! اُن اچھے آبا واجداد کی اچھی اولاد ہے ۱۲

[۳] تو نے ستھرائی اور بڑائی والیوں اور پسندیدہ خصال مستورات میں سے ایک عالی خاندان لڑکی سے شادی کی ہے ۱۲

[۴] پس وہ کیسی شاندار محفل ہو گی۔ جہاں دوستوں میں محبت متحقق ہوتی ہے ۱۲

[۵] اور کیسا شاندار دولہا ہے۔ جوانمرد سخی۔ خاندانی بزرگی والا اور پسندیدہ خصلت والا ۱۲

[۶] دے دیتا ہے جو چیز نہیں دی جاتی اور فخر نہیں کرتا۔ اور کر بیٹھتا ہے جو چاہتا ہے اور کچھ پروا نہیں کرتا ۱۲

[۷] مانگنے والوں کی بلا توقف سنتا ہے اور محتاجوں کو بغیر مانگے دیتا ہے ۱۲

[۸] اگرچہ عمر میں ہمچشموں سے چھوٹا ہے۔ مگر کاملیت کی حد کو پہنچنے میں سب سے بڑا ہے ۱۲

[۹] پس برکت دیا جائے جب تک کہ آسمان پر ثریا ہے اور جبتک کہ راتوں سے دن برآمد ہوتے رہیں ۱۲

قصیدۂ بائیہ

در شان حضرت شاہ عبد الغنی قدس سرہ کہ ہنگام اقامت آنجناب در مدینہ منورہ از ہند بخدمت با برکت ایشان فرستادہ شدہ بود و از آنجا اطلاع رسیدن آن ابیات حضرت ایشان بدستخط خاص در عبارت مندرجہ ذیل دادہ بودند

بسم الله الرحمن الرحيم – من عبد الغني ابن ابي سعيد الى الفاضل النبيل والاديب الجليل المولوي الطاف حسين – السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .. وصل مكتوبكم الشريف مع القصيدة الى العبد الضعيف مع فصاحته وبلاغته لا يخلو عن الشين من جهة المدح ~ لا عيب فيهم غير ان سيوفهم ، فيها فلول من قراع الكتائب ،، واستحسنها بعض ادباء المدينة المنورة لما فيه من البراعة والفصاحة الله يتجاوز من زللي وينفعكم باعلى منايا ومآرب بجاه صاحب الشفاعة الكبرى سيدنا محمد وآله واصحابه فلك السعادة ونجوم الهداية بلا ريب وخلل – والسلام ؛

هوى الحور بلوى كل حبر ونادب ۔۔ وفتنة قسيس وزلة راهب

وهزم لمنصور وفتح لخاذل ۔۔ وعز لمغلوب وذل لغالب

وما من نساء الحي للعز مخلص ۔۔ بليم قد استأسرن اهل التجارب

وليس بداء كاد يشفي سقيمه ۔۔ صبابة قلبي بالعذارى الكواعب

قد اختطفت لبي ودرعي مليحة ۔۔ بلطف مدار لا بعبس معاتب

معطلة الآراء من غير رقية ۔۔ مقتلة الاحشاء لا بالمضارب

وصاحبة العشاق لا في مكادة ۔۔ وكاذبة الميثاق لا بالمراقب

لفي نظرة منها وغمز وملحة ۔۔ بلاء لذي ورع الى الله تائب

وكم من حياء دونها وتحجب ۔۔ وحصن من التقوى وخوف العواقب

عجبنا لها قد خر موسى صعقة ۔۔ ولكن راينا عند كشف الجلابب

ذهبنا لنلهيها بنا عن مشاغلٍ … فجاءت والهتني عن الاشتغال بي

اشدّ بلاءً وصلها من فراقها … اذا كان عند الوصل خوف المراقب

أُراقب وقت الوصل من غير موعدٍ … اصدّق في اقدامها قول كاذب

أبيلاي ما اغناك عن شان مولعٍ … له انت في دنياه قصوى المآرب

تناسيت في ذكراك علمًا وحكمةً … لانضيتُ ايّامًا اليها ركائبي

ذهبت بصبري يوم اقدمت في الحمى … نزلت وما انزلتِ حِمْلَ المراكب

شغلتِ بلحظٍ قلبنا عن مشاغلٍ … صرفت برمزٍ قصدنا عن رغائب

يُغَشّي على ابصارنا منكِ جلوةٌ … كأنك في الاستار من غير حاجب

عتابك حلوٌ في المذاق فعاتبي … وضربك حتى للرقاب فضاربي

ودونك قلب العاذلين بنظرةٍ … لكِ الدّين عند العاشقين فطالبي

أحِبّةُ لا تُشكُوا[1] احزينًا فربّما … تُهيّجُ للاصحاب رَنّةُ صاحب

ذروني وقلبي بالرزايا فانه … مصائب اُخرى ذكر تلك المصائب

لقد قلّ عوني في اُخيٍّ كثيرةٍ … كأنّي غريبٌ بين خلٍّ وقارب

ولي من موالٍ انّما انا بينهم … بمنزلة الكرار بين النواصب

وفيما الى سلمى وصولي فانني … ضللت سبيلي في ضياء الكواكب

لاصبح يوم البين كالليل مُظلمًا … كان صباحي قطعةٌ من غياهب

كما اظلم الدّهلي بتغريب كوكبٍ … مُضيءٍ على عُربٍ عن الهند عازب

عروفٍ غزير العلم هادٍ ومرشدٍ … جليل المساعي مستفيض المناقب

صبورٍ على البلوى شكورٍ على النُّهى … نفورٍ من الدنيا الى الحقّ راغب

[1] لا تشكوا من الاشكاء بشکوه آوردن ۱۲

من ادرکما لِ سفتدی کل کامِلِ	محیطٍ بِحالِ منتہی کل طالبِ
اذا ما قضی عدلٍ صدوق اذا روی	مصیبٌ اذا افتی اذا قال صائبِ
وحید لوی عبد الغنی الذی لہٗ	اوائل مراٰۃٌ لکشف العواقبِ
یقوم غنیٌّ جالس الشیخ ساعۃً	بقلبٍ ذکیٍّ مطمئنٍ مُراقبِ
ونرجع رجعًا قہقریٰ دون بابہ	ضلالۃ ضِلّیلٍ وخیبۃ خائبِ
لیعلم علم الناس بالشمس فی الضحی	باسرارِ موجودٍ واحوال غائبِ
بدایتہٗ اقصی نہایات منتہٍ	نہایتہٗ قصوی عنایاتِ واہبِ
مہابتہٗ فی نفس الفٍ ووامقٍ	ارادتہ فی قلب عادٍ وجانبِ
ہو السابق الغایات من صاعدٍ العلی	الی رجلہم لا ینتہی سیر راکبِ
کراماتہم مشہورۃٌ فی مشارقٍ	مقاماتہم مذکورۃٌ فی مغاربِ
لاوضح برہانٍ علی اختصاصہم	بموہبۃ الرحمن خیر المواہبِ
صیانتہم من کل طاغٍ وعانِدٍ	اذا غلبوا فی الہند کل اغالبِ
وممن یصدّون السبیل امامہم	وکم خلفہم اذ ہاجروا من معاقبِ
فلما احیطوا انما کان حولہم	نصال العوالی اوذباب القواضبِ
ولما اتی نصر من اللہ بغتۃً	لقد سابقوہم معجزی کل ناہبِ
تاثرہ شرعٌ عنّ بیًّا وقاطنًا	فیا عجبا من رائحات الجلائبِ
ولم یرہٗ حتّٰی اجتاز ابارقومہٖ	فقد ورد الینبوع اصل المشاربِ

لہ اشارۃ الی ما نقل عن بعض الثقات ان الشیخ الممدوح رای لیلۃً سید الطائفۃ خواجہ بہاء الدین النقشبند فی المنام فبایعہ بلا واسطۃٍ بعد ما بایع شیوخ عصرہ مع اقرانہ واللہ اعلم ۱۲ حالی

مَدَحْنا بما اختصَّ الولیّ من مراتبٍ — وفی الشیخ شانٌ فوق تلک المراتب
سَینْقصُ دُونَ الابتداء بوصفه — اقاویل وصّافٍ واوصاف کاتب

مبارک باد خطاب شمس العلما بجناب مولانا شبلی نعمانی کہ در علیگڈہ نوشتہ شد

یا وحیداً من الکرام فریداً — وعزیزاً لمثلی علق نفیس
انت اولی بان تلقب شمساً — بل بان یجعلوک شمس الشموس
انت شمس الهدیٰ ولست بشمس — یعتریها الخنوس بعد الخنوس
انت طهرت ویلع بین مبینٍ — لوّثته اللئام بالتدلیس
ثم دافعت عن امامٍ نقیٍّ — کان بعد النبی خیر رئیس
وعن الحق قد کشفت غطاءً — بعدما اغلقوه بالتلبیس
سرت فی الارض انت برّاً وبحراً — للمعالی ولا لامر خسیس
قلدوک التزام درس قومٍ — فیه یرجی لهم کمال النفوس
فتقلدت والتزمت لزوماً — خدمة المسلمین بالتدریس
قمت بالدرس والدراسة فیهم — فارغاً عن ریاسةٍ ورئیس
وجعلت الکمال غایة همٍّ — واتخذت الکتاب خیر جلیس
فعلی القوم لا نهالک حقٌّ — کلهم من وجوههم ورؤوس
صانک الله عن مکارة حتّی — صرت کالقلب منّا فی الخمیس

نثر عربی

عریضہ نامہ موسومۂ اعلیٰ حضرت مولانا و مقتدانا شاہ عبد الغنی قدس سرہ کہ با قصیدۂ بائیہ در مدینہ منورہ ارسال داشتہ بود

هذه نبذ كلمات عديدة وعدة ابيات غير سديدة يتوسل بها العبد الذليل الصغر ليدين الملتزم بالشرور الشين المتشبث بالطاف حسين كان الله له ولوالديه فى النشأتين الى المولى الجليل والشيخ النبيل مالك أزمّة الاستكمال و التكميل الهادى الى سواء السبيل قدوة السالكين زبدة العارفين رأس الفقهاء والمحدثين قطب الملة والارشاد قبلة الابدال والاوتاد صدر الشريعة الغراء عماد الملة البيضاء ومظهر الانابة والاجتباء اوجه العلماء الاعلام مجاور حرم خير الانام وارث علم النبى مولانا ومرشدنا شاه عبد الغنى المجددى النقشبندى الهندى المدنى لازال ظل فيضه ممدودًا وقرع بابه مقصودًا سمعت يا مولانا ان اعرابيًا جاء الى هارون الرشيد بماءٍ كدر ملح اجاج كان يظن الماء احلى من شرب النبات واصفى من ماء الفرات تقرب به الى الخليفة وجعل هدية له فدخل المجلس وعرضه عليه فاذا هو ماء منتن الريح مر الطعم كدر اللون فتفرس هارون واطلع على داخلة امره وعلم ان الماء وان كان ملحًا فى نفسه ولكنه حلو فى مذاق الاعرابى فمنع القوم عن هتك ستره وافشاء امره لكى لا ياخذه الندم فيرجع خائبًا آسفًا وامر بعطية جليلة له واخرجه على الحال من بغداد مخافة ان

یقیم بها او یشرب من ماء دجلة فیجد حلاوة فی ذوقه ولطافة فی طعمه فیستحیی استحیاء

النادم و یوص بنان السادم فکذلک ارجوانا ایضا یا شیخ یا مولای ان تنظر الی ما

ارسلت الیکم من کلام هجین و قول غیر متین نظرة بالقبول فاذن یعود ما فیه من الخطاء

صوابا و من النقص تماما فانت من رجال اذا مرّوا باللغو مرّوا کراما و ان تدعو لی بدعوة

تکشف عنی الغمة و تذکرنی بصرف الهمة و بذل النهمة مستعینا بجناب سید المرسلین و

متمسکا بذیل رحمة العلمین فداه امی و ابی صلوة الله و سلام و آله و اصحابه اجمعین

فاننی قد ملکت نفسی الاهواء و احاط بشراشر قلبی بلاء الاخلاق من السّداد و لا سبیل الی الرشاد

قد اخترت علی الاجل عاجلا و العجب ان العاجل ایضا کالاجل مفقود رضیت من الجلیل

بحقیر و الحقیر ایضا لیس بموجود فیا اسفی قد وقعت سهامی کلها عن هدف

المقصود و بقیت صفر الکف فی الدنیا و الآخرة +

کیف الوصول الی معاد و دونها	قلل الجبال و دونهنّ حتوف
و الرجل ما فیة و ما لی مرکب	و الکف صفر و الطریق مخوف

فها انت یا شیخ یا یها العزیز مسّنا و اهلنا الضر و جئنا ببضاعة مزجاة فاوف لنا

الکیل و تصدق علینا ان الله یجزی المتصدقین و سلام علی عباده الذین

اصطفی من مجاوری حرم المصطفی صلی الله علیه و آله و سلم

دوسرا خط جناب مجدد کے نام جسمیں پہلے خط اور قصیدہ کی رسید کا شکریہ ادا کیا گیا ہے

الحمد لله رب العالمین و الصلوة و السلام علی سیدنا و نبینا محمد و آله و صحبه اجمعین

و بعد فیا ایها الشیخ یا مولای سلام علیکم ازکی سلام ثم سلام علیکم الف الف سلام

قد بلغني منكم ما كنت ارجوا من بشارة القبول واجابة المامول فشكرا لكم بعد شكر على ما
اذكرتموني وتذاكرتم بالي من محاسبة الساعات ومراقبة الاوقات تالله لقد قررت من
الآمال بما لا يرجى ونلت بموهبة منكم عظمى ومن مثلكم شيئ يسير كم فيه من خير كثير
فانكم اليوم منتهى قصدي وقصاراي امل لكل قريب وبعيد شقي وسعيد وانتم بارض
ترابها شفاء الاسقام ومقام كريم لا يحله الا الكرام وانا العبد الذليل الملتزم بالشرع
الشين المدعو بالطاف الحسين تجاوز الله عما جنت يداي وغفر الله لي ولوالدي في سلام
على عباده الذين اصطفى من مجاوري حرم المصطفى صلى الله عليه وآله وسلم ؛

مکتوب بنام مرزا اشرف بیگ مرحوم دہلوی از لاہور

سلام عليكم سلام غريب بعيد الدار مهجور الاوطان والاوكار طويل الليل عبوس
النهار قد حل ارضا لا انيس بها ولا صاحب وضاقت عليه بما رحبت فاعيت به
المذاهب لا يتمكن من عزمه فيمضي قصده ولا يقدر على نفسه فيري رشده
قد تركته غرضا لسهام الالام ودرية لطعان الاحزان والاسقام وحيدا
طريدا بائنا بعيدا حزينا كئيبا قلقا مكروبا ولكنه مع ما به من الهم والشجى
والحزن والاسى وكآبة الفراق وحرارة المشتاق ولوعة قلبه ولفوة حبه وشتيت باله
وجزعه وبلباله لا يكاد يشغله عنكم شاغل ولا يحول بينه وبينكم حائل . وقد القى
ذكركم بين عينيه ليأنس به ويسكن اليه وكلما يبلغه كتاب او تهب ريح خطاب
من عند احد من الاحباب تهيج له شوقا الى شوق وتجشمه من الهوى ما لا يسعه
الطوق فالحمد لله حمد الصابرين الراضين بقضائه كلما قضى للراجين رحمته

عندکل کربة و بوسی علی ما قد قیل ؎

ارى الصبر محمودًا وعنه مذاهبُ | فكيف اذا ما لم يكن عنه مذهبُ
هو المهربُ المنجي لمن احدقت به | نوائب دهرٍ ليس منهن مهربُ

فالمرجو منكم يا معاشر الخلاق وخلص الاخوان ان لا تنسوا اما انعم الله عليكم من قرة اعينكم وسكينة قلوبكم في محادثة الاحباب سرًا وجهارًا ومفاكهة الاتراب ليلًا ونهارًا وان تجعلوا شكر تلك النعمة ذكرنا ومواساتنا وتذكروا ما فاتنا من اخضر عيشنا واطيب حياتنا فلا يشغلكم شانكم عن شاننا ولا يبعدكم بعد مكاننا ومن سئلكم نظرة الينا ولو كانت بعد زمان يروي غليل القلب اللهفان واما ما بلغني اليوم بعد دهر طويل من كتابكم الجزيل وامركم الجليل فقد سرني اشد سرور وصنع بي ما يصنع لقاء الحبيب بالمهجور وستجدون جوابه ان شاء الله رديف هذا الكتاب مندرجًا في كتابكم المطاب واما ما سألتم عن بعض اعمال المدارس فقد سألتم عن طلل ذائل ورسم دارس والسلام عليكم وعلى من يحبنا ويحبّه ممن لديكم وممن حواليكم ‌ؕ

كتابة اخرى[1]

سلام عليكم اعلى سلام من قبل الغريب المستهام وبعد فهذا جواب ما بلغني من كتابكم المتين وخطابكم الرزين في لسان عربي مبين فوقع عندي موقعًا حسنًا وسررت به اشد سرور ولكنه قد وقع في استجوابه نحو من التمكث الغير المعتاد

[1] اس خط کا آخری حصہ تلف ہو گیا، اسلئے ناتمام حالت ہی میں چھپوا دیا گیا ہے ۱۲ حالی

فوالذی نفسی بیدہٖ ما منعنی منہ الا انہ کان الزمان زمان الفتنۃ والبلاء والمرض والوباء قد انزوت العافیۃ فی الزوایا واحدقت بالبلد انواع البلایا وکان الناس بین صرعی وقتلی فمنہم من لسعتہ الحمّٰی ولدغہ الصداع ومنہم من قتلتہ الهیضۃ بذات الشفرتین من سیف الاسہال والهواع وکان الجدری العام مزیدًا علی ذٰلک ابتلیت بہ صغارہم وکبارہم وذکورہم واناثہم فہلک من ہلک ونجا من نجا۔ واما الباقون وانا منہم وقلیل ماہم فکانوا بین الخائفین والراجین الذین یاتیہم الموت من کل مکان وماہم بمیتین ولم یزل کان الامر کذٰلک حتّٰی صار الموت والحیوٰۃ کفرسی رہان یسبق ہذہ تارۃً وتلک اُخریٰ ٭

کتابۃ اُخری اُرسلت بعد معاودۃ من حیدرآباد الی الوزیر الجناب النواب عماد الملک الشہیر بمولوی سید حسین البلگرامی احد ارکان الدولۃ العالیۃ

اقمت معتصمًا شہرًا وایّامًا بجبل رافتکم فی حیدرآبادہ

فہل دعاءٌ وتذکارٌ لنعمتکم وشکرٌ لاحسانکم یاسید السادہ

ولست بناسٍ طول عمری صنیعکم کذا جرت باذکار النعم العادہ

وبعد فقد وصلت یا سیدی فی ۳ نومبر ۹۳ء الشذاء بنعمۃ اللہ وحسن توفیقہ من بمبئی الی دہلی سالمًا وغانمًا وکنت فی بمبئی نزیلًا فی منزل صاحبکم الجلیل المبجّل الممتاز عن الاقران فی المعمورۃ بالسیر العادلۃ والاخلاق المرضیۃ السید غلام حسین

المتنزّة عن كل شيئٍ الذى فى زورته سكينة للقلب وقرة للعين ستين
ساعةً فعاملنى هذا الفتى معاملةً لا تكاد تقع بين الاجانب بل عاشرنى
معاشرة الاصحاب بالاصحاب ورافقنى مرافقة الخلّان بالخلّان واراني من
خصائص المعمورة وعجائبها ومراسيها ومراكبها فوق ما كنت ارجو ان اراها
وله غير ذلك من الصنائع التى صنع بنا ما لا يوصف باللسان ولا يفيه اللفظ
البيان فياليت شعرى هل اشكر اياكم على ما هديتمونى منزلَ الرجل النبيل
ودللتمونى على سواء السبيل الى خوانِ الخليل ام احمد الرجل على ما اكرمنى
واحسن مثوى واعاننى على ما كنت بصدده من اطلاع احوال المعمورة وبالغ
فى حسن الاضافة والقرى ولم يأذن لى بالرحلة من بمبئى الا كرهًا فوالله لئن كان
الاسمٰعيليون كلهم متخلقين باخلاق اخيهم هذا لجزمت بان الناجية من الفرق
الاسلامية هى الفرقة الاسمٰعيلية لا غير ثم ان الرجل كان يقول مشتكيًا
عن جنابكم الرفيع انكم لم تكتبوا الينا ابدًا منذ زمانٍ طويل ولم تطلعونه على احوالكم
ولم تسالوا عنه وعن احواله وامرنى ان اخبركم بذلك واسالكم ان تداركوا
ما فاتكم وما على الا البلاغ ٭

كتابة اخرى الى مدير الجريدة العربية المسماة بالنحلة الادبية فى لندن

قد اسلفنا القس الجليل قد وصلنى من اول تموز الى اخر تشرين الثانى ثلثة اعداد من
جريدتكم الفريدة المسماة بالنحلة الادبية التى تلوح اثار قبولها العالمين من غرّتها البيضاء
فتمتعت بما فيها من سوانح الاخبار وبدائع الافكار وفوائد اخرى يعجز عن حصرها

لسان الاظهار فبعدما اتشکر غاية التشکر على يا احسنتم الى مثل هذا المسکين
بارسال الجريدة اقول انى مع بالى من شدة الولع وغاية الحرص على مطالعة
النحلة لا استطيع ان اشترك فيها وان مثلى فى الباب كمثل ظمآن على راس بئر
ماله دلوٌ ولا سببٌ يتوصل به الى الماء ولا قلبٌ يصبر على العطش ولكنى
اتعهد ان شاء الله بالسعى المقدور فى نشر نفحات النحلة وبركاتها بين ابناء الوطن
ومن الاخوان والخلان وغيرهم من رؤساء ادارات التعليم الذين يعرفوننى
ولو بادنى معرفة واما اغنياء هذه الصفحات من الملوك والامراء والاكابر
فليسوا فى شئ من ذوق العلم ومطالعة الجرنالات وتفحص الاخبار وذلك السعى
الذى تعهدتُ به لا يكون منّى على شرط عوضٍ من جنابكم بل يكون لمحض
اشاعة الخير والبركة بين الناس ولما يقتضيه الاخوة الانسانيّة من التعاون
والتعاضد هذا وان كنتم تمنّون بعد ذلك بارسال الجريدة فلا يسعنى الا تيان
بغير التشكر على هذا الامتنان باللسان والجنان الا انه فى عزم هذا النحيف على
تقدير وصول النحله فيما بعد ان ابلّغ فى كل شهرين او اكثر مرة واحدة بعض الحوادث
المهمة الواقعة بهذه الاقطار الى حضرتكم بمثل هذه العربية المستهجنة التى لا تكاد
تقع عند اهل اللسان موقعًا حسنًا او باحدى اللغتين من الفارسيّه والهنديّه
ان لم يكن على خلاف شرط النحلة ثم لى فى خصوص امر الجريدة كلامٌ آخر لا بد ان
ابوح به فى حضرتكم وهو ان ترجمتها بالانكلزيّة ان كانت مطابقة بكل لفظ لفظ
من العربية بحيث لا يبقى لغةٌ من اللغات المؤلدة او المعربة مجهولة غير مفسّرة
لكان اقرب الى فهم اهل الهند واوقع فى قلوبهم فان اللغات المتداولة بين ايديهم

من الصراح والقاموس وغيرهما ليست بكافلة لجميع ما في العربية الحالية من الالفاظ القديمة والحديثة وطيّ هذه الصحيفة رقيمة اخرى بالانكليزية ارجو ان يكون النظر فيهما منتجاً لبعض النتائج الحسنة والسلام خير ختام

صورة ما قرظت على المنظومات الضيائية التي اكثرها بالعربية ومنها بالفارسية والهندية

الحمد لله الذي حبّب الي كلام الخطباء والشرّبني في قلبي حلاوة النظم وذوق الانشاء فلا ارغب الا فيه ومن يرغب عنه الا السفيه فسبحان من انعم علي بالنعم التي لا تحصى ثم اختصني منها بتلك الموهبة الكبرى ومن ههنا فليعلم اني لا يسعني السكوت عن مدح ما يقع عندي موقعاً حسناً من نظم بهيّ او نثر شهيّ او بيان رائق او كلام فائق واما ان اتكلّف في مدح او اعتسف في قدح او ابالغ في الازراء او اجنح الى الاطراء فلا يتأتى مني ابداً ولا افعله سهواً ولا عمداً ولذلك ارجو من الله المستعان ان اكون فيما اصف مشهوداً لي بالصدق والصواب حتى لا يروني الا الناطق بالحق من غير شك ولا ارتياب

وبعد فلما وصلت من دلي الى لاهور مستعيناً بالله من الحي بعد الكور وقد كنت اذ لا اعرف احداً ولا يعرفني احد من اهل ذلك البلد اوصلني قائد التوفيق الى خير منزل لخير نازل من السادة الكرام والشيوخ العظام صدر المحاضر والنوادي سيدي ومستندي خواجه ضياء الدين الجهان آبادي[1]

---

[1] یعنی سید خواجہ ضیاء الدین مرحوم دہلوی کی نظمیں بعض زبانوں میں۔ حالی

لازال مصوناً عن کل داهیة وفاقرة وما فاته حسنةٌ من حسنات الدنيا و
الاخرة فكنت نزيلاً عنده الى ثلثة اشهر او اكثر فكان ما دمتُ في بيته يعمل لى
كل صنيعةٍ ويضم الى كل معروفٍ ويؤثرنى ويؤاسينى ويكرمنى ويداربنى
وله عندى غير ذلك من الصنائع ما لا يسعه البيان ومن الايادى ما لا يوصف باللسان
وهذا الذى ذكرتُ من حسن الاضافة والقِرى فليس فى عدادٍ من فضائله التى
لا تحصى منها ان له يداً فى النظم طولى وقسطاً من النثر اوفى فى السنةٍ مختلفة
ولغاتٍ شتّى فتارةً يسجع سجع الخطباء من العرب العرباء واخرى ينشد نشيد
الفرس من مفلقى الشعراء وسحرة البلغاء واما الاردو فمثله كمثل دابةٍ هو
اخذ بناصيتها تتصرف حيث شاء ومما يشهد لى بصدق ما ادعيتُ له هو هذه
الصحيفة المنيفة التى فيها انموذج كلٍ من تلك الالسن الثلثة فى بيانٍ رشيقٍ
ولفظٍ انيقٍ لهذا المصقع الطليق والمنطيق الذليق فيالها من وجيزٍ جامعٍ بين
كلام العرب والعجم فيه النسيب وفيه الوعظ والحكم يرغب اليه لطلاوة لفظه
ويتنافس فيه لحلاوة نظمه كانها روضةٌ تعجب الانظار بنضرتها او جنةٌ تشخص
اليها الابصار لبهجتها او دوحةٌ مثمرةٌ او سحابةٌ ممطرةٌ او حديقةٌ دهماء
او عشيقةٌ حسناء او عينٌ من ماءٍ معينٍ او منظر لحورٍ عينٍ وله سوى ذلك
من المصنفات ما فيه قرة اعينٍ لكل ناظر وغنيةٌ لكل بادٍ وحاضرٍ فلا زال
مفيضاً على المستفيضين وملاذاً للطالبين واخر دعوانا ان الحمد لله رب
العلمين ۵

خطبة يوم الجمعة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي خلق الخلق فسوّاه واصطفى الإنسان على الأكوان فأكرمه
وأحسن مثواه ونصره وكفاه وأمره ونهاه فمنهم من أناب إليه و
اعتصم به ولم يعبد إلّا إيّاه ومنهم من اقتفى أثر النفس وأخذ أخذها و
اتخذ إلهه هواه والصلوة والسلام على النبي المنيب الأوّاه المتبتّل
إلى الله عمّا سواه الذي وجده يتيمًا فآواه وعائلًا فأغناه ومن كل
شيء أعطاه واجتباه وهداه وعلى من اتّبع هديه وقفاه وأعلى كلمة
الحق وحماه واتّقى الله حقّ تقاته وملك نفسه وهواه وبعد فيا أيّها
الإنسان ما غرّك بربّك الكريم وما حملك على التأثيم وما ولّاك عن النهج
القويم وما ألهاك عن النعيم المقيم حيوتك الدنيا فانية وأنت
ترجو أنّها باقية ومتاعها شيء يسير ولن تعلم أنّه فيه خير كثير
قد استهلكت في الشهوات ونسيت هادم اللذّات وتناهيت في الملاهي
وما انتهيت عن المناهي كم أمرت بمعروف فعصيت وكم دعيت إلى الخير
فتولّيت جمعت من الدرهم والدينار آلافًا وأضعافًا ورأيت في نفقته
لوجه الله إسرافًا وإتلافًا منتهى تصدّيك تجسّس عيوب الإخوان وجلّ
صناعتك تتبّع أستار الجيران سألتك بالجبار وحسن لديك مقام
الأشرار تتبع سدل الأسلاف وتعيب صالحات الأخلاف طال قيامك

فی طلب المال وانت تارکه بعد حین ولا یزال قعودک عن الاعمال حتی اتاک
الیقین فویلک قد طلبت متروکا وترکت مطلوبا واقتضیت خوبا وما
قضیت مکتوبا وشریت بالحقیر جزیلا وبالرخیص جلیلا وحملت خفیفا
ونبذت ثقیلا واخذت من الصفو کدرا واخترت علی الخیر شرا و
استبدلت الذی هو ادنی بالذی هو اعلی واشتغلت عن الآخرة بالاولی
الله الله الام تمهلک فی الخیرات وتمایلک عن الحسنات واقبالک علی
المهلکات ومسابقتک بالسیئات طلق الدنیا ثلاثا وفارق اهلها و
الق لها علی غاربها حبلها وتب الی الله قبل ان تموت وادرک الفراغ قبل
ان یفوت واستعن بوجدک قبل عدمک واغتنم شبابک قبل هرمک
والزم بالعمل فکم من عمل یسیر خیر من علم غزیر وواظب علی الندامة
فندم منک ساعة خیر من کثیر طاعة تصدق من غیر من واذی و
انفق مما تحب وترضی ان جئت بحسنة فاستقم ولا تغتر فبالاستقامة
عبرة لعمل العاملین وانما الاغترار من همزات الشیاطین وان اقترفت
سیئة فاعترف ولا تیأس فان الاعتراف یهدم ما یقترفون ولا ییأس
من روح الله الا القوم الکافرون ان بلیت فاصطبر فان الصبر اسی تتلوه
الفرج ودجی تؤذن بالبلج وثقل یخفف الاثقال وداء یذهب لعضال
وان اعطیت فتشکر فان الشکر سبب لمزید الانعام وبعث للمنعم علی الاکرام
وجالب للارزاق وذاهب بالاملاق واضرب فی الارض بطلب العلم
غیر باغ وجاهد فجاهد وباعد ثم باعد واجهد جهدک فی اخذه

مِنْ کُلِّ قَارِبٍ وَبَاعِدٍ وَتَمَتَّعْ بِمَا فِيهِ مِنَ الْأَبَاعِدِ فَإِنَّهُ أَوْجَبُ لِلْحَامِدِ وَأَصْلَحُ لِلْمَفَاسِدِ وَأَوْصَلُ إِلَى الْمَقَاصِدِ وَلِذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ وَإِذَا سَمِعْتَ هٰذَا فَإِيَّاكَ وَالْإِضَاعَةَ وَعَلَيْكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَإِنَّ الْفَتَىٰ مَنْ عَلِمَ فَعَمِلَ وَسَمِعَ فَقَبِلَ وَذُكِّرَ فَاعْتَبَرَ وَأُمِرَ فَائْتَمَرَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ وَسُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

گلستانِ سعدیؒ کی حکایت کا ترجمہ

حُکِیَ اَنّ بعض صُلحاءِ لبنان ممن اشتہرت مقاماتہم وانتشرت کراماتہم جاء الی دمشق فنزل بماء الکلاسۃ یرید ان یتطہر اِذْ زَلَّ قدمہ فوقع فی الحوض ثم خرج بعد ما ادرکہ الغرق وقام الی الصلوٰۃ وصلّٰی بہم فلما فرغوا قال لہ بعض اصحابہ ما لک یا شیخ انی رأیتک یوماً فی بحر المغرب کنت تمشی علی الماء وما ابتل منک قدم واما الیوم فقد اشرفت علی الھلاک فی قلیل من الماء ولو لا رمق من الحیوٰۃ لغرقت فشتان بین ھذا وذاک فاطرق رأسہٗ واکثر فی التامل ثم قال اما سمعت ما قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم لی مع اللہ وقتٌ لا یسعنی فیہ ملکٌ مقربٌ ولا نبیٌّ مرسلٌ ولم یقل وقتٌ مستمرٌ وکان علیہ الصلوٰۃ والسلام تارۃ یشتغل بالنساء والرجال واخرٰی لا یلتفت الی جبریل ومیکٰئل ومن ھٰھنا قیل مشاھدۃ الابرار بین التجلی والاستتار۔ ۵

دوسری حکایت

بينما انا جالس ذات يوم بجامع تبليك اذ شرعتُ في الوعظ والتذكير وحولي جمعٌ كثيرٌ ممن لا يكادون يفقهون حديثاً ولا يهتدون سبيلاً فكلما ازددتُ في البيان تدقيقاً وتحقيقاً زادوا حيرةً وضلوا طريقاً فلما رأيت لا يحلهم سحر كلماتي ولا يؤثر في قلوبهم تغنّياتي اخذتني اخذة اسفٍ لهفتُ كل اللهف على اضاعة الكلم واشاعة الحكم في قومٍ صمٍ بكمٍ +

بنام بعضے از اہل علم کہ در بیروت مقیم بودند و نام ایشان فراموش شدہ

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين - وبعد فاني قد سمعتُ ان المعلم الشهير فانديك الامريكاني النزيل ببيروت رتّب سلسلة من الكتب في العلوم الجديدة وسماها النقش في الحجر واني اُريد شراء جملة الكتب التي تضمنها هذه السلسلة من اولها الى آخرها وايضاً قد سمعت من بعض ثقات الهند الذين قد لاقوكم في البيروت انّ تلك السلسلة يمكن وصولها الينا بتوسطكم فاسألكم يا مولانا انا باي طريق نطلبها وكيف نؤدي ثمنها وهل يمكن ارسالها الى الهند بالطريقة التي جرت في سائر الممالك الانكليزية وهي ان اهالي البوسطة يبلغون الاشياء الى المكتوب اليهم بعد اخذ الثمن ويرفعون الثمن الى المالك ويسمون هذه الطريقة بالانكليزية وُيليوپے ايبل وترجمته بالعربية (ما يجب اداء ثمنه) فمتى يصل الينا الجواب من عند حضرتكم الجليلة نطلب تلك السلسلة الحديثة بالطريقة التي تصفونها لنا والسلام خير ختام

جُملَۃٌ صَالِحَۃٌ

فی مآثر ناصح الملّة وموقظهم عن نوم الغفلة الذابّ عنهم فی کل فتنة و الناصر لهم عند کل ملمّة الذی جعل همته مقصورة علی اصلاحهم ورأی لذة حیاته فی نجاحهم و فلاحهم یهیم لهم فی کل وادٍ کصبٍّ هائم ولا یخاف فیهم لومة لائم اعنی الدکتور سر سید احمد ابن السید متقی ابن السید هادی الحسینی نسباً والمدنی ثم الهروی محتداً والدهلوی مولداً شعر

طلوعُ الثنایا بالمطایا وسابقٌ — الیٰ غایةٍ من یَبتدِرْها یُقَدَّمِ

فاعلم ایها المخاطب الجلیل أنّ هذا الشیخ الاجل الامجد الهمام والسیّد الصند بل السّمَیدَع القُمقام هو اول من تصدّی لاصلاح حال مسلمی الهند فی اواخر المائة الثالثة من الالف الثانی وافنی عمره کما انفق ماله فی نصحهم والرافة بهم والشفقة علیهم والمجاهرة فیهم واول من ذبّ عن الاسلام وسافر لاجل ذلک الی اوربا ونشر هنالک محاسن الاسلام بین المسیحیین وطهّر ذیله عمّا افتروا علیه ونسبوا الیه من المثالب المساوی (تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً) واثبت فضله علی ادیانٍ اُخری بدلائل بیّنةٍ وبراهین متقنة

ﻟﻪ تقریباً ۲۵-۲۶ برس گزرے ہوں گے کہ لندن سے ایک ماہوار عربی رسالہ موسوم بہ "نحلۂ ادبیّہ" جاری ہوا تھا جس کے چند پرچے رسالۂ مذکور نے میرے نام بھی بھیجے تھے۔ اڈیٹر نے بجائے قیمت ادا کرنیکے اسکی قلمی اعانت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک آرٹیکل مرحوم سر سید احمد خاں کے حالات اور اُنکی ملکی و قومی خدمات پر اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی میں لکھکر لندن بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اُسکے بھیجنے سے پہلے معلوم ہوا کہ وہ رسالہ کسی وجہ سے بند ہوگیا اور وہ آرٹیکل راقم کے پاس مسودات میں یوں ہی پڑا رہا۔ اب جو اس ضمیمہ میں شامل کرنیکے لیئے اسکو ڈھونڈا تو بہت ہی کم اوراق دستیاب ہیئے۔ چونکہ موجودہ حالت میں مضمون مذکور کو از سرِ نو مرتب کرنا راقم کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیئے جسقدر اوراق بہم پہنچے انھیں کو بقدر امکان کسیقدر ترتیب دیکر اس ضمیمہ میں شامل کیا گیا ۱۲ حالی

سلك فيها طريق اسلافهم ونسج على منوالهم وهو اول من ادّعى ان دينًا من
الاديان لم يفك رقاب الجوارى والغلمان عن ذل العبودية الا الاسلام واستدل
على دعواه بآيات بيّنات من كلام العزيز الملك العلام واحاديث متصلة مرفوعة
صحّت عن النبى خير الانام وهو اول من عزم على التوفيق بين ما جاء به القرآن
وبين ما شهدت به الحكمة الجديدة وعلى رفع ما يتبادر الى الاذهان من
الاختلاف بينهما كما فعل علمائنا المتكلمون فى صدر الاسلام لمّا شاعت
الحكمة اليونانية بين المسلمين وخافوا عليهم ان يقعوا فى شبهات الملاحدة
والزنادقة.

ولنذكر ههنا شيئًا يسيرًا من مساعيه الجميلة التى كانت مستمرة مسلسلة
فى نصرة الاسلام والمسلمين من ۱۸۵۷ء الى زمان رحلته التى وقعت فى اوائل ۱۸۹۸ء
ميلادية.

منها انه لمّا اضطرمت نار البغى والعدوان فى اقطار الهند من قبل
العساكر الهندية ۱۸۵۷ء ميلادية وكان مسلمو الهند اذ ذاك مظنة لخلاف
الدولة الانكليزية لما كانوا قبل استيلاء تلك الدولة فى نوع من العزة والمكنة
والسلطان فى ممالك الهند. بادر الشيخ الى تاليف كتاب فى بيان اسباب البغى
التى كان مرجع اكثرها الى غفلة اركان الدولة وسوء تدبيرهم فى الامور السياسية
وكان الزمان زمان الاخذ والبطش والانتقام بحيث يفرّ المرء من اخيه و
امّه وابيه وصاحبته وبنيه ويؤسرون ويسجنون ويقتلون ويصلبون
فلم يسكت هناك من كلمة الحق والقى بنفسه الى التهلكة ليزيل كل شبهة

تختلج فی صدور اعیان الدولة من قبل المسلمین ویُبری ساحتهم من کل سوءٍ ویطهّر ذیلهم عن کل رجسٍ +

ومنها انه الّف بعد ذلک کتاباً اٰخر علی خلاف ما شاع واشتهر بین الملة الانکلیزیة من رأیِ بعض مُدبّری الملک ومشیری الدولة منهم فی الهند انّ جماعة المحدّثین من مسلمی الهند الموسومین بالوهابیة الذین لا یقولون بوجوب تقلید احدٍ من الائمة المجتهدین لیسوا من اطاعة الدولة فی شئ ویرون ان الجهاد مع النصاریٰ ولاة الهند واجب علی المسلمین - فلما اشتهر ذلک الکتاب مُزیّفاً للرأی المذکور بین الهند والانکلترة ونظر فیه رجال الدولة واعیان الملة ووازنوا بینه وبین ذلک الرّأیِ لم یبق لهم شُبهةٌ فی قصور علم صاحب الرأی وقِلّة تدبّره وضعف رأیه وانّه لم یتّبع فیه الا الظّن ولم یتمسّک الا بالقیاس ورفع بناءً من غیر اساسٍ - واطلقوا خلقاً کثیرا من اولئک المحدثین واتباعهم کانوا ماسورین مسجونین ولم یکن لهم ذنب ولا اثمٌ الا تسمیة الناس ایاهم باسم الوهابیّة +

ومنها انه لمّا شاع کتاب السیرة المحمدیة الموسومة بلائف اوف محمد باللغة الانکلیزیة فی اربع مجلدات قد صنّفها احدٌ من اکابر رجال الدولة وولاتها فی الهند بحیث لم یصنّف احدٌ من المسیحیین قبله کما زعموا مثل ذلک الکتاب علی مخالفة الاسلام وکان الشیخ حینئذٍ متقلد البعض اعمال الدولة تحت امر ذلک المصنف شمّر الشیخ عن ساق الجدّ واخذ یتفحّص عما یحتاج الیه من

لے [illegible] ۲ے [illegible]

الکتب والاسفار فی نصرة الاسلام والذبّ عن حوزته فلم یظفر منه فی الهند الا بقدر یسیر لا یسمن ولا یغنی من جوع - لما قد خربت خزائن الکتب الاسلامیة کلّها فی فتنة العساکر الهندیّة - فعزم علی الرحلة من الهند الی اوربا لاجل ذٰلک واخذ معه ولدیه کانا یعرفان اللغة الانکلیزیة وسار بهما الی انکلترة واقام نحو سنتین بلندرہ وصنّف هناک کتابا مبسوطا سماه بالخطبات الاحمدیة فی الکشف عن حقیقة الاسلام لصیانته عن کل ما یفترون علیه ویطعنون فیه ویرمونه ؞

ثم ترجم هذا الکتاب بلسان اهل انکلترة وطبعه واشاع وداول بین القری والامصار من البرطانیة الکبری وفی اکثر الممالک من اوربا لیتمّ حجة الاسلام علی من کان ینکر علیه من دعاة المسیحیّة حتی ان بعض اهل الانصاف من القسّیسین المامورین علی دعوة اهل الهند الی دینهم اعترف ان احدا من المسلمین منذ بدء الاسلام الی الاٰن لم یکتب کتابا جامعا کاشفا عن حقیقة الاسلام ومحاسنه قطّ فی لسان اهل المغرب کما کتب هذا الرجل کتابه الخطبات المحمّدیة ولولاه لما تمّ علیهم حجة الاسلام ؞

ومنها انه لمّا صار مسلموا الهند مشرفین علی الموت الذی هو الذلّ والهوان بین ابناء الزمان، لما ترکوا مسالمة الدّهر ومرافقته ولم یتّعظوا بموعظة ونذر کثیرة، وزعموا انّ تعلم اللغة الانکلیزیّة والتکلم بها والممارسة فیهما کفر، ولا یجوز للمسلمین ان یرضوا بتعلیم اولادهم فی المدارس الانکلیزیة فحرموا کثیرا من اعمال الدولة ومناصبها التی کانت شرط تقلیدها معرفة

اللغة الانكليزية ، ولم يزالوا يتنزّلون عن معارج العزّ والجاه درجة بعد درجة حتى كادوا ان ينتهوا الى غاية ذُلّهم وهوانهم ، ويعودوا غرباء خاملين غامضين وهم فى اوطانهم حمله الرّقة النوعيّة والاخوة الاسلامية على ان يُصلح امرهم ويجمع شملهم ويُقوّم عوجهم ويُسدّد افكارهم ويُثقّف آراءهم ويَدُلّهم على ما يقتضيه الاحوال الحاضرة من تعلم لسان وُلاة العهد واكتساب العلوم المفيدة والمعارف الجديدة ، وترك التقليد فى المصالح الدنيوية والامور المعاشيّة والانسلاخ عن الرسوم القديمة التى رسخت فى قلوبهم كالاحكام الشرعيّة ، وغير ذلك من الامور التى لا يمكن ان يبقى امّة من الامم العظيمة على عظمتها القديمة الا وان يُلزموها انفسهم ويتشبّثوا بها ويعضّوا عليها بالنواجذ ، ويجتهدوا فيها ۔

فلا زال الشيخ مع كبر سنّه وعظم جُثّته وثقل جسمه يسير ويرتحل من بلد الى بلد ومن ناحية الى ناحية ، فيعظهم فى كل مجلس ويذكّرهم فى كل محضر ويلومهم ويعاتبهم ويرفقهم ويلاطفهم ، وكان يطالبهم ان يبذلوا اموالهم ويجهدوا انفسهم فى تهيّة اسباب التعليم وتيسيرها لاخلافهم واعقابهم وترويج العلوم الجديدة ومداولة اللغة الانكليزية بين المسلمين المتوطنين فى بلاد الهند الآمنين فى كنف الدولة البرطانية كما فعل سائر ابناء وطنهم من الهنود والمجوس وغيرهم ۔

فلما انتهى الامر الى ذلك استطاع الشيخ عند ذلك سبيلا الى تشكيل مدرسة كُلّيّة رفع بناءها فى بحبوحة الهند بحيث لم ير مثلها عين الزمان ولا سيّما فى

ممالك الهند - وبنى حول المدرسة رباطاً متسعاً فى غاية الحسن و الملاحة محتوياً
على بيوتٍ متجاورةٍ متناسبة البناء متساوية المقدار صالحةٍ لان يسكنها
الكبراء واهل الثراء - واشترط على المتعلمين (سواء كانوا من بلادٍ قريبةٍ او
بعيدةٍ) ان يقيموا بتلك البيوت ويلتزموها ماداموا مشتغلين باخذ العلم
لئلا يخالطوا اقرناء السوء ويكونوا من معاشرة الاضداد بمعزلٍ ويحصل المواخاة
بينهم بطول الصحبة ويتصلح افكارهم بدوام المذاكرة وجمع فيها بين التعليمين
دينيٍّ ودنيويٍّ - ليتمكنوا من اصلاح امر معادهم ومعاشهم ويستغنوا عن مدارس
الدولة التى خلت عن تعليم علوم الدين رأساً - وطلب لنظم المدرسة ولتعليم
العلوم فيها وتربية المتعلمين المقيمين بها البارعين فى انواع العلوم من نجباء
انكلترة المتحلين بالاخلاق الفاضلة والسير المرضية - واحضر ايضاً العلماء
الاعلام من افاضل المسلمين لتعليم علوم الدين - وهيّأ لطلبة العلوم كلّ
ما يحتاجون اليه من المسجد والحمام والمطبخ والمستراح والمستشفى - و
الآبار والاشجار والرياض والانهار والآلات المتنوعة لانواع الرياضات
الجسمانية - والاماكن المتنظفة للمذاكرات العلمية - وغير ذلك مما لا
يسعه للبيان +

ولا شك ان هذه المدرسة اوّل مدرسةٍ فى الدنيا تشكّلت لتعليم
المسلمين بمحض التعاون والتعاضد من ابناء الملة وتكفلت لتعليمهم وتربيتهم
وتهذيب اخلاقهم وحفظ صحتهم وتنظيف لباسهم وتحسين كلامهم و
ان يرشدهم الى معنى التمدن وحسن المعاشرة وينبّههم على ان القوم ما هو

والوحدة القومية ما هى ويحيى فيهم الاخوة الاسلامية التى قد ماتت بموت
القدماء من اهل الملة البيضاء ويغرس فى قلوبهم منها شجرةً طيبةً اصلها
ثابتٌ وفرعها فى السماء ويؤلف بين اشتات الفرق الاسلامية التى يتباغضون
بينهم ويتنافرون ويتنازعون ويتخاصمون يُعرض بعضهم عن بعض ويسبُّ بعضهم
بعضًا ثم لتوكيد هذا المقصد رأى ان يُداول بينهم جرنالٌ مهذّبٌ للاخلاق و
العادات محرّضٌ على المكارم والمعالى. مزهّدٌ فى بعض العلوم القديمة التى
لا طائل تحتها، كاشفٌ عن المعارف الجديدة مرغّبٌ فيها مشعرٌ بانّ الاسلام
باصوله وفروعه لا ينافى اصول التمدّن وفروعه ولا يمنع عن اتباع الملل
المتمدنة فى العلوم والصناعات وسائر الحيل التى بلغوا بها غاية العز و
المنعة والجاه وسبقوا كلّ امّةٍ من اصناف الامم الى اقصى مراتب الحكمة
والدولة والسلطان. وسمّى هذا الجرنال بتهذيب الاخلاق۔

فلا زال يصدر فى كل شهرٍ مرّةً او مرّتين الى نحو عشر سنة وكان من
احسن الجرائد وضعًا وترتيبًا وابلغها نظمًا وبيانًا واجزلها قدرًا ومكانًا
فى لسان اهل الهند۔

لم يسبقه جريدةٌ ولا جرنالٌ فى هذا الشان۔ فانتفع به المسلمون فى
هذه الاقطار فوق ما يُرجى ويُتوقّع ان ينتفعون، حتى ان صلحت افكارهم و
تحولت اراءهم وتزلزل بنيانُ العصبيّة التى كانت تحول بينهم وبين الحق
المبين۔ غير ان المتقشفين من علماءهم والمقلدين من سفهاءهم والمتعصبين
الخائضين فى بحرٍ لجّيٍ يغشاه موجٌ من فوقه موجٌ من فوقه سحابٌ لم يتلقّوه

بالقبول بل انکروا علیه وکفّروا من تصدّی لادارته ومن کان من اعوانه
وانصاره ولکن لم یقدروا ان یمنعوا غیرهم من اصحاب الرای واهل النهی
عن موافقة الشیخ ومظاهرته فیما یرجع الی صلاح حالهم ومآلهم فبذلوا
اموالهم لبناء المدرسة فوق ما یستطیعون۔

ومنها انه بعد تاسیس بنیان المدرسة الکلیة لتعلیم المسلمین
وتشیید مبانیها عقد[1] مجلسًا عمومیًا باحثًا عن امر تعلیم المسلمین المتوطنین
فی کل ناحیة من نواحی الهند وانّه کیف یمکن وصولهم الی الکمالات المطلوبة
التی اقتضتها ضرورة الوقت ومع ذلک کیف یمکن لهم المحافظة علی بقایا السلف
الصالح من علومهم القدیمة ولاسیما العلوم الدینیة التی تکاد تندرس رسومها
وتمحو آثارها من بلاد الهند وما السبیل الی بقاء اللغتین الحاملتین لدینهم
وعلمهم وحکمتهم وادبهم وتاریخهم وسیرهم فی اخلافهم واعقابهم اعنی
العربیة والفارسیة اللتین قد جاء بهما المسلمون الاولون من فاتحی الهند
واعوانهم وانصارهم وکانت کل واحدة منهما منذ قدوم المسلمین فی هذه
الاقطار متداولة بینهم فکل ما کان من تعلیمهم وتعلمهم ومکاتبتهم ومراسلتهم
وتصنیفهم وتالیفهم وانشائهم وانشادهم ونظمهم ونثرهم انما کان باحدی
هذین اللسانین وکانوا یکرمون العربیة ویحبونها ویتبرکون بها کما کانوا
مستانسین بالفارسیة راغبین فیها مقبلین علیها ۔ والآن کلاهما مشرفان
علی الزوال قد انقطعا عن مدارس الدولة ومکاتبها راسًا ولم یبق فی بیوت المسلمین

[1] یعنی محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۲

منهما الارمق - ومّا الحيلة فى تعليم نساء المسلمين من وراء الستر وهنّ مقصورات فى البيوت مستورات عن المعلّمين والنسوة اللاتى يصلحن لتعليم النساء فلا يوجد منهن فى ارض الهند الا ما شاء الله - والمدارس التى تشكلت لتعليم نساء اهل الهند من تلقاء الدولة او من قبل دعاة المسيحيين فلا يأمنها احد من اشراف المسلمين - وايضا رأى الشيخ ان ينعقد ذلك المجلس على راس كل سنة فى بلد من بلاد الهند ويأتيه المسلمون حينئذٍ مبعوثين من كل ناحيةٍ ويعرض من يشاء من اعضاء المجلس ما بدا له من رأىٍ او فكرٍ او حيلةٍ او تدبيرٍ فى امر التعليم او فى كل ما يتعلق بصلاح الملة على من شهد منهم فى ذلك المجلس فمن شاء وافقه ومن شاء لم يوافق فان توافقت كلمتهم فى امرٍ او غلبت اٰراء الموافقين عزموا على امضائه وصمموا فيه والّا فلم يأخذوا به وتركوه كان لم يكن شيئًا مذكورًا واول فائدةٍ يستفيدونها من ذلك المجلس انه يتسع به دائرة الاتحاد بين المسلمين يومًا فيومًا - فانهم يأتون فى كل سنةٍ مرةً من اماكن بعيدةٍ وبلاد قاصيةٍ لا مرجا مع فيه صلاح الملة فيجتمعون بعد ما كانوا متفرقين ويتعارفون بعد ما كانوا متناكرين ويقيمون فى مقامٍ واحدٍ الى نحو خمسة ايامٍ او اكثر ليتمكنوا من دوام المصاحبة والمحادثة ويتفقوا فى الاكل والشرب ويتساءلون ويتشاورون ويتحدثون ويتفاكهون ثم ما عدا تلك الفوائد يخطب الخطباء من افاضل الناس يفيدون فى خطباتهم ما يناسب ذلك المشهد من افادات جليلة يهتز بها القلوب ويتحرك بها النفوس الى معارج الكمال المطلوب*

ومنها ان طائفة عظيمة من طوائف الهنود الذين سبقوا سائر ابناء الوطن فيما يقتضيه الاحوال الحاضرة من العلوم الجديدة والصناعة والسياسة والتمدن وفاقوا جميع الاقران والامثال فى معرفة اللغة الانكليزية وتقلدوا الاعمال الجليلة والمناصب الرفيعة من قبل الدولة بحيث لم يتركوا لاحد من اهل الوطن موضعًا للتقرب الى دولة العهد وحصول العزة والمكنة عند اركانها۔ شكّلوا مجلسًا عموميًا سمّوه بنيشنل كانگريس ليطالبوا دولة العهد ما وعدت من انها لا تفرق بين احد من اهل الهند واهل انكلترة بشرط استحقاقهم فى سائر الحقوق والمرافق ولا يرجّح بعضهم على بعض فى تقليد الاعمال الجليلة والمشاركة فى وضع القوانين السياسية و غير ذلك وارادت تلك الطائفة ان يشاركوا معهم فى تلك المطالبات جميع اهل الهند ليضطر الدولة الى استماع ما يقولون واجابة ما يسألون فلما مضى على تشكل ذلك المجلس سنتان وجعلت طوائف اهل الهند يستحسنونه ويميلون اليه ويرغبون فيه قليلاً قليلاً ويأتيه الناس مبعوثين حين ينعقد المجلس من كل ناحية حتى ان كثيرًا من المسلمين ايضًا عزموا على مشاركتهم فى هذا المجلس، تفطن الشيخ بانه ان ظفرت تلك الطائفة بمرادهم لن ينال المسلمين منهم الا الشر۔ فان الحقوق التى يدعون لسائر ابناء الوطن لا يمكن ان يحصل لقوم الا وان يكونوا اغنياء اعزة عند اركان الدولة عارفين باللغة الانكليزية والعلوم الجديدة معرفة تامة مطّلعين على القوانين السياسية خبيرين باصول الدول المتمدنة اللوروباوية ولا شك ان المسلمين

لیسوا من تلک المزایا فی شئ یعتدّ بہ فلا بدّ ان یستوعب الھنود جمیع تلک الحقوق ویشارکوا فی الحکومة والقدرة والاختیار ولم یبق للمسلمین خلاق فی العزة والمکنة والجاہ ویصیروا اذًا صاغرین خاضعین للھنود اکثر مما کانت الھنود لھم فی سالف الزمان وینتھز الھنود فرصةً لان یبدوا ما فی انفسھم من الضغینة والبغضاء القدیمة التی قد بدت من افواھم وما تخفی صدورھم اکبر۔ فابتدر الشیخ عند ذالک الی تشکیل مجلس اخری علی رغم مجلسھم لتنبیہ المسلمین علی انّ تلک المطالبة انما ھی نافعة للھنود خاصةً لا للمسلمین ولرفع القضیة الی ارکان الدولة واعلامھم بانّا معشر المسلمین کافةً لا نشارکھم فیما یدّعون وفیما یطالبون وانّا براءٌ منھم ومما یقولون۔ فانتھی الامر الی ان جزمت الدولة بانّ فی اسعاف ما یقترحون تامیرٌ لقومٍ خاصٍ علی سائر الاقوام من اھل الھند۔ وانتبہ المسلمون بعد ما کانوا غافلین عن تبعات تلک المطالبة وعواقبھا۔ فاعتزلوا عنھم وتبرأوا عن مشارکتھم ولم یحوموا حولھا بعد ذالک من المسلمین الا نفرٌ قلیلٌ لیسوا فی اعداد شیءٍ منھم ✦

ومنھا انہ لما کان ممارسة العلوم الجدیدة فی الاکثر مُنتجًا للوھن فی امر الدین ومظنةً للالحاد والتدھر لما یُری ویُسمع من احوال رجال العلم فی اوربا وکان الشیخ اوّل من حرّض مسلمی الھند علی تحصیلھا ورغّبھم فیھا فخاف علیھم ان یجتنوا منہ ما اجتنت الملل المسیحیة فی اوربا ویتضرروا بالعلم فوق ما کانوا یتضررون بالجھل ✦

وکان قلبہ مطمئنًا علی ان الاسلام الخالص عن الشوائب الصافی عن الاکدار

لا ینافضه شیءٌ من العلوم الیقینیة وانما ینافض ما اشتبه بالاسلام ولیس من الاسلام فی شیئ، من آراء العلماء وقیاسات الفقهاء وخرافات القدماء من الفلاسفة والحکماء والبدع والاهواء والاخبار الواهیة المنقولة من کتب الیهود والسنن الزائغة الماخوذة من المجوس والهنود وغیر ذلك مما اخذ بحذافیر الاسلام وصار منه بمنزلة الاخلاط من المزاج۔

وکانت الفحول من علماء الاسلام فی الهند کافّةً غافلین عما یقتضیه ضرورةُ الوقت فکما کانوا ینهون عن تعلم اللغة الانکلیزیة وتحصیل العلوم الجدیدة کذلك کانوا یتناهون عن نصرة الاسلام بوجهٍ یناسب اذواق المعترضین وینطبق علیٰ اصولٍ مسلّمةٍ عند حکماء العصر کانوا لا یجوّزون ان یسلکوا فی المدافعة عن دینهم طریقاً لم یسلکها الاولون بل کانوا لا یعرفون کیف السبیل الی الذبّ عن حوزة الاسلام فی هذا الزمان، واین المفرّ من حملات الحکمة الجدیدة علی الملل والادیان وفیم الخلاص من شبهات الطبیعیین القائلین بامتناع الخرق فی القوانین الطبیعیّة۔

فلما استیأس الشیخ من علماء الملة ان یتعهّدوا امر الدّین ویحافظوا علیه ویدافعوا عنه تصدّیٰ بنفسه المنفردة لهذا الخطب الجسیم وشرع فی تفسیر القرآن الکریم علیٰ اصلٍ متقنٍ ینطبق علی الحکمتین القدیمة والجدیدة ومع ذلك یشهد به العقل ولا یستنکره الشرع۔ وهو انّ فعل الله وقوله تبارك وتعالیٰ لا بد ان یکونا متوافقین متلازمین بحیث لا یتخلف احدهما عن الآخر لئلا یلزم نسبةُ الکذب الی الحضرة تعالیٰ عن ذلك علوّاً کبیراً) ولا شك ان ما کان وسیکون فی عالمی الخلق والامر انما هو من فعله تعالیٰ فلا یمکن ان یوجد فی کلامه المبین شیءٌ یخالف ما فی عالم الخلق او فی

عالم الامر من الاسماء والصفات والافعال والآثار والقوی والکیفیات والحوادث والوقائع

ولما کان اصل اصول الاسلام هو القرآن الکریم الذی وصل الینا کما انزله الله

علی رسوله من غیر تحریف ولا تصحیف ولا زیادة ولا نقصان ولم یکن الاحادیث والاخبار

بهذه المثابة وکان فی کتاب الله غنیة لنا عن کل ما عداه کما قال عمر بن الخطاب رض

"حسبنا کتاب الله" اقتصر الشیخ علی تفسیر القرآن ورأی ان فی المدافعة عن القرآن دفاع عن

الدین کله ولنذکر ههنا انموذجا من تفسیره الذی حمل فیه بعض الفاظ القرآن الحکیم

علی معان مجازیة لم یحملها عامة علماء الاسلام علی تلک المعانی قبل الشیخ. قال الشیخ

فی تفسیر الآیات التی وقعت فی اوائل سورة البقرة فی بیان نعماء الجنة. اما حقیقة

الجنة التی علمنا ربنا فهی کما قال عز اسمه فی سورة السجدة "فلا تعلم نفس ما اخفی لهم

من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون". واما حقیقتها التی اخبر بها المخبر الصادق علیه

الصلوة والسلام فهی کما اخرج الشیخان عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول

الله صلی الله علیه وسلم "قال الله تعالی اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات

ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر". فلا یخفی انه لو کان حقیقتها علی ما زعموا

هی الریاض والانهار والفواکه والثمار والجواری والغلمان وقصور من لؤلؤ وذهب

وفضة وانهار من لبن وخمر وعسل لکان مخالفا لما نطق به القرآن وما صح عن

النبی فان جمیع تلک الاشیاء مما تراه العیون وتسمعه الآذان ویخطر علی قلب بشر

ولا یقال ان ما فی الجنة من الریاض والانهار وغیرها فی اعلی واشرف من امثالها فی

هذه الدنیا غایة العلو والشرف فلا یلزم ان تری بالعیون وتسمع بالآذان کما ان تری و

تسمع امثالها فی هذه الحیوة الدنیا. لانها ان لم تکن تری وتسمع فما منعها ان تخطر

على قلب بشر۔ فان تلك النعماء التي امثالها موجودة في هذه الحيوة الدنيا۔ وان كانت
اعلى واشرف من امثالها الخسيسة الدنيوية غاية العلو والشرف فلابد ان يكون
بينها وبين امثالها نوع من المماثلة والمشاركة والا فلا وجه لتسميتها بهذه الاسماء
فان سلمنا انها لا ترى بالعيون ولا تسمع بالآذان فلا نسلم انها لا تخطر على قلب بشر
ايضاً۔ وقد علمت ان حقيقة الجنة من شانها ان لا يخطر على قلب بشر۔ فعلم ان
جميع تلك النعماء التي تنسب الى الجنة انما هي عبارات عن قرة اعين تكون فيها وتمثيلات
لها لتكون اوقع في قلب الانسان واقرب الى فهمه الناقص وادراكه القاصر لحقيقة
الجنة وماهيتها۔

ثم اعلم ان الانسان كما خلقه ربه مجبول على انه لا يدرك ولا يتصور الا ما ابصر بالعين
او مس باليد او ذاق باللسان او شم بالانف او احس بالقوة السامعة وقرة اعين
تكون في الجنة لا ابصر مثلها الانسان بالعين قط ولا مس باليد ولا ذاق باللسان
ولا شم بالانف ولا احس بالقوة السامعة فالفطرة الانسانية تابى ان يبلغ الانسان
كنه تلك القرة وحقيقتها۔ ثم ما يخاطب به الانسان انما يخاطب بما هو جار على
لسانه من الالفاظ والكلمات ولا يوجد في لغة من لغات الانسان لفظ يعبر عن معنى
لا يدرك بالحس فلا يمكن ان يعبر عن ذلك المعنى بعينه وان كان المعبر هو الله فانه قادر
على الممكنات لا على المحالات۔ ثم كل لغة من لغات الانسان التي يخاطب بها بعضهم
بعضاً لا يوجد فيها ايضاً لفظ ولا كلمة يعبر بها عن كيفيات هذه اللذائذ الدنيوية
كالحموضة والحلاوة والوجع والالم والكلفة والراحة وانما يعبرون عنها بمرادفاتها
او بنوع من التمثيل والتشبيه مع ان ذلك المرادف والتمثيل ايضاً يحتاج الى التفسير

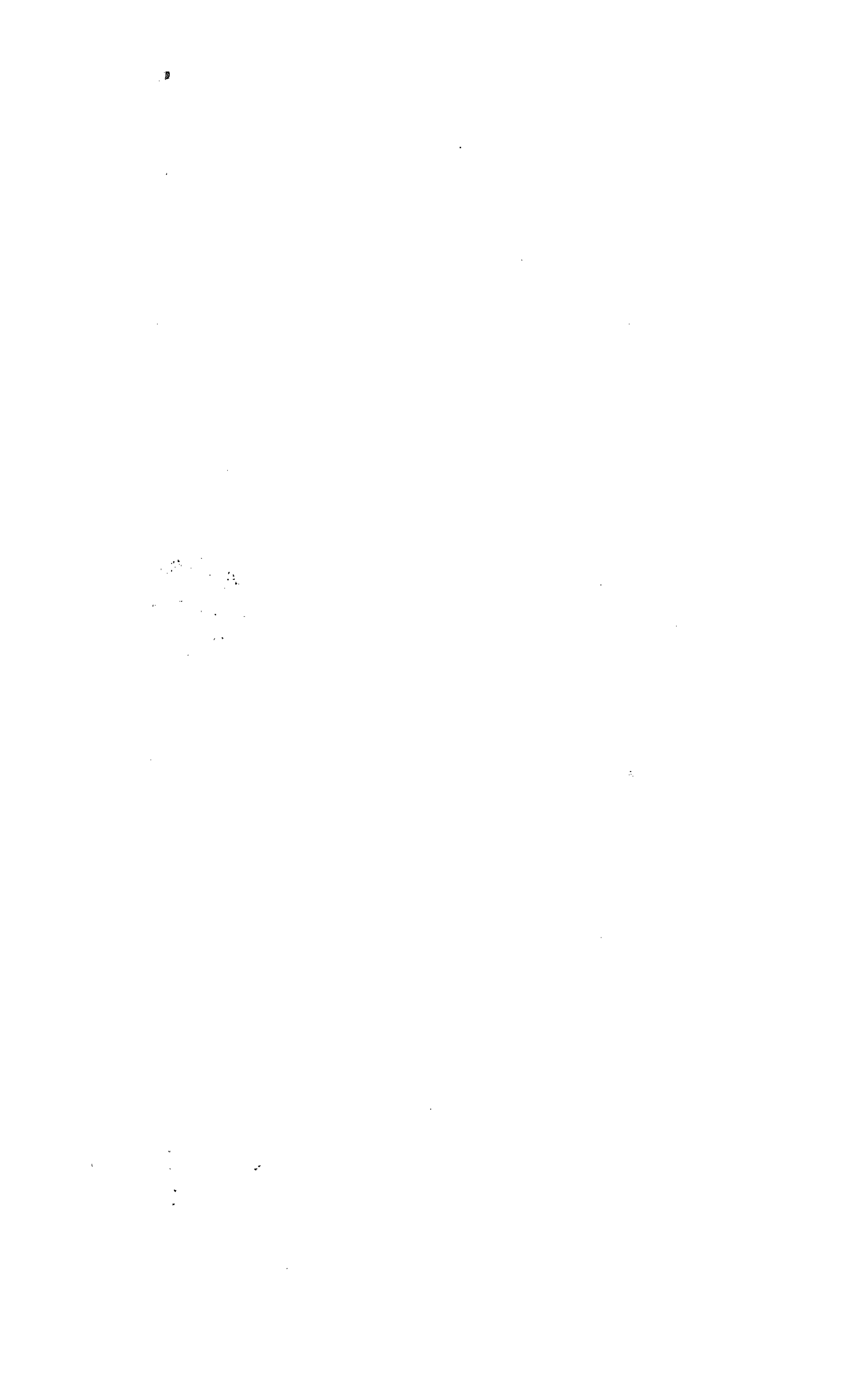
أخرى هل تجزى۔ فما ظنك بحقائق الجنة التي عُبّر عنها بقرة أعين كيف يمكن التعبير عنها بعينها وتصويرها في ذهن الانسان وان كان المعبّر هو الله ۔

إلا أنه لما كان الانسان مجبولاً على استكشاف ما في اتيان المأمور به من النفع وما في ارتكاب المنهي عنه من الضرر وكان لا يرغب في الطاعة الا بعد ما اطلع على نفعها ولا ينتهي عن المعصية الا بعدما تبين مضارها وجب على كل نبي مرسل بل على كل مجدد يصلح بعض المفاسد العامة ان يبين ذلك النفع ويدل على تلك المضار ولو كان بنوع من التمثيل والتشبيه ۔

ولما كان التعبير عن حقيقة تلك القرة للاعين بعينها متعذرا وكذلك عن حقيقة ما يقابلها من الآلام الروحانية احتاج الشارع الى بيان جزاء الاعمال خيرا كان او شرا بكل راحة او كلفة لا يتصور راحة وكلفة فوقها في هذا العالم والمقصود من ذلك البيان انما هو تصوير تلك القرة للاعين وما يقابلها من الآلام الروحانية بوجه من التشبيه ولو كان ناقصا لا هذه الراحة او الكلفة بعينها ۔

ولذلك فقد وقع في التوراة بيان تلك القرة بكثرة الاولاد ونزول الامطار وسعة الرزق والغلبة على الاعداء وامثالها وبيان ما يقابلها من الآلام الروحانية بموت الاولاد والقحط والوباء والهزيمة من الاعداء وما أشبه ذلك الا ان هذه الامثال وان كانت اوقع في قلوب بني اسرائيل دائما ولكنها لم تكن بحيث تعتبر بها سائر الامم والملل۔ فجاء القرآن بامثال ابدع منها في الانذار والتبشير واوقع في قلوب كافة الناس واوفق بحال كل فرد من افراد الناس شرقيا كان او غربيا باديا كان او حاضرا عالما كان او جاهلا فان كل قوم سواء كانوا من البلاد الحارة او الباردة يحبون بيوتا مزخرفة وبساتين ناضرة ومياها جارية وفواكه طيبة يفرحون بها كل فرحة ويرغبون فيها كل رغبة ويشتهونها ويميلون اليها۔ وايضا كان في الحسن والجمال على اطلاقه لذة عجيبة تجذب اليها النفوس وتفتن القلوب واعجب الحسن والجمال اذا كان في الانسان ولا سيما في الجواري والغلمان۔ فالتعبير عن قرة اعين تكون في الجنة بمثل هذه اللذات الفطرية۔ وعما يقابلها من الآلام الروحانية بامثال النار والحميم والضريع والزقوم انما المقصود منه ان يجزم بوجود كل نعمة لا يتصور فوقها نعمة في الجنة وبادراك كل نقمة لا يتصور فوقها نقمة في جهنم والا فالراحة التي تكون في الجنة والكلفة التي تكون في جهنم بالحقيقة فلا مماثلة بينها وبين هذه الامثال التي نطق بها القرآن ۔

تمت بالخير



اعلان

کیا جاتا ہے کہ جملہ حقوق تصنیف و تالیف کتاب ضمیمہ اردو و نظم کلیات حالی بحق حضرت مصنف محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب بلا اجازت جناب مصنف صاحب ممدوح اسکے کل یا جزو چھاپنے کے مجاز نہیں اگر چھاپیں گے تو نقصان اٹھائینگے۔ یہ کتاب براہ راست مصنف سے درخواست کرنے پر دستیاب ہو سکتی ہے ؕ

المشتہر

حافظ عبد الستار بیگ مالک تحفۂ ہند پریس کوچہ روح اللہ خاں

دہلی

اعلان

المشتہر
حافظ عبدالستار بیگ مالک تحفۂ ہند پریس کوچہ روح اللہ خاں
صدر دہلی